تحفۃ المخلصین وتنبیہ المرائین

- اخلاص کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت
- اخلاص سے محرومی کے بنیادی اسباب اور ان کا علاج
- تحصیل اخلاص کی تدبیریں اور اس کی حکمتیں عقل ونقل کی روشنی میں
- ریاکاری کی قباحت وشناعت اور حرمت ومذمت قرآن وحدیث کی روشنی میں
- حالاتِ حاضرہ میں اخلاص وریا کے لحاظ سے اپنا ایک جائزہ

حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب دامت برکاتہم فاضل دیوبند

خلیفہ ومجاز

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرکز التوحید والاحسان

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اختریہ

۱ آزادول، جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ

۲ گلستانِ اختر، مانکی، دیوبند، انڈیا

تحفۃ المخلصین وتنبیہ المرائین

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب دامت برکاتہم فاضل دیوبند

خلیفہ ومجاز

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام:

مرکز التوحید والاحسان

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اختریہ

1. آزادول جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ
2. گلستانِ اختر، مانکی، دیوبند، انڈیا

ٹیلی گرام : https://t.me/mtwas

ویب سائٹ : www.tawheedoehsaan.org

ضروری تفصیلات

نام کتاب	:	تُحۡفَةُ الۡمُخۡلِصِیۡن وَتَنۡبِیۡهُ الۡمُرَائِیۡن
مؤلف	:	حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب دامت برکاتہم
اشاعتِ دوم	:	ستمبر ۲۰۲۰ء، محرم الحرام ۱۴۴۲ھ
تعداد	:	۱۱۰۰
ناشر	:	مرکز التوحید والاحسان خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اختریہ
ملنے کا پتہ	:	❶ آزادول، جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ
		❷ گلستانِ اختر، مانکی، دیوبند، انڈیا

مؤلف کی چند دیگر تالیفات

۱۔ عرفانِ محبت شرح فیضانِ محبت (۳ جلدیں)
۲۔ ہم اپنے شب و روز کیسے گذاریں؟
۳۔ بس آپ اتنا کرکے تو دیکھئے
۴۔ معمولاتِ یومیہ
۵۔ حرام تو کھایا، مگر کیا کھویا اور کیا پایا؟
۶۔ اگر ہم نے سودی لین دین نہ چھوڑا تو؟
۷۔ ہم بہنوں اور یتیموں کو میراث کیوں نہیں دیتے؟
۸۔ تُحۡفَةُ الۡمُخۡلِصِیۡن وَتَنۡبِیۡهُ الۡمُرَائِیۡن
۹۔ تُحۡفَةُ السَّالِکِیۡن
۱۰۔ پھر شفاء کیوں نہ ملے گی؟
۱۱۔ میں کب اور کس طرح گھر سے باہر جاسکتی ہوں؟
۱۲۔ حضرت! دعا فرمادیجئے
۱۳۔ مجالسِ اعتکافِ کشمیر (زیرِ طبع)
۱۴۔ لیجئے جنت کے ٹکٹ لیجئے (زیرِ طبع)
۱۵۔ تربیۃ السالکین (اصلاحی خطوط کے جوابات)۔ (زیرِ طبع)
۱۶۔ آہ! میری بیٹی کالج کیا گئی کہ ہاتھوں سے نکل گئی (زیرِ طبع)

انتساب

احقر کے جملہ بیانات اور تصنیفات وتالیفات

اکابری ومشائخ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ

اور مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کے فیوض وبرکات کا مجموعہ ہیں۔

☆ ☆ ☆

تقریر ہو تحریر ہو فیضان ہے سب آپ کا

الفاظ گو میرے سہی فرمان ہے سب آپ کا

خلوتیں یا جلوتیں مرہون ہیں سب آپ کی

یہ میرا سوزِ دروں احسان ہے سب آپ کا

(از مؤلف)

اصلاحی خطوط اور مشوروں اور بیانات کے حصول کے لیے:

+27 63 202 3227

کتابوں کے حصول کے لیے:

+92 335 3541400

فہرست عنوانات

پیش لفظ

پیشِ نظر کتاب مسمیٰ بہ "تُحفَۃُ المُخلِصِین" ہے۔اس کتاب کے اندر راقمِ سطور نے اخلاص و للّٰہیت کی حقیقت اور اس کی ضروت و اہمیت کو ذکر کیا ہے،اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ کہ مخلص بندوں کو دنیا وآخرت میں کیا کیا نعمتیں نصیب ہوتی ہیں،تاکہ جو شخص اس کتاب کو پڑھے وہ اخلاص کے زیور سے آراستہ ہو کر اللہ کے مخلصین ومحبوبین بندوں میں شامل ہوجائے اور قیامت کے دن ریا کاری کی تباہی وبربادی اور ابدی خسران ومحرومی سے اپنے کو بچا سکے۔

صاحبو! ہر مسلمان کو اس کا علم ہے کہ ہمارے نیک اعمال میں اخلاص کا ہونا کس درجہ اہم اور ضروری ہے،اس لئے کہ قبولیت کا دارومدار اخلاص ہی پر ہے۔اگر ہم اپنی عبادات وطاعات میں مخلص ہوں گے اور ہر عمل میں صرف رضائے الٰہی مقصود ہو گی تب تو عند اللہ ہمارا شمار مقبول بندوں میں ہو گا ورنہ نہیں،خواہ ہم نے کیسے ہی بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہوں۔

اور یہی اخلاص وللّٰہیت کی دولت ہے جو اللہ والوں کے پاس رہ کر ان کی صحبتوں سے نصیب ہوتی ہے،بدون اس کے عادتاً ممکن نہیں ہے،جیسا کہ اپنے بزرگانِ دین اور سلف صالحین کی زندگیوں میں یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے۔

اس لئے دراصل احقر کا مقصود یہ تھا کہ اخلاص کی اہمیت وفضیلت اور ریا کاری کی شناعت و قباحت کے بارے میں کچھ آیات واحادیث جمع کر لے،تاکہ وقتاً فوقتاً ان پر نظر ڈالنے سے اخلاص کی دولت کا حصول اور ریا کاری سے حفاظت نصیب ہو سکے،اور نفس وشیطان جن جن راستوں سے قلب میں داخل ہو کر اس نعمتِ اخلاص کو چھین لیتے ہیں ان پر آگاہی اور تنبُّہ ہوتا رہے۔

مگر پھر جب بعض احباب نے اس رسالہ کی طباعت کا مشورہ دیا اور اس کے مصارف کا ایک

حصہ بھی ادا کر دیا تو پھر اپنے لئے اس دینی کوشش کو صدقۂ جاریہ خیال کرتے ہوئے احقر نے اس کی طباعت کا مشورہ قبول کرلیا اور اس پر نظرِ ثانی کر کے اس میں کچھ کمی بیشی کر دی۔

بہر حال یہ مختصر رسالہ ہدیۂ ناظرین ہے اور اس میں کوشش کی گئی ہے کہ اخلاص و ریا کے متعلق آیات و احادیث اور اپنے اسلاف اور بزرگوں کے ملفوظات و ارشادات کو ذکر کیا جائے اور یہ بھی تذکرہ کیا جائے کہ حبّ جاہ اور خواہشِ شہرت و نام و نمود کیسی بھیانک و مہلک دل کی بیماری ہے اور پھر اس کی وجوہات اور ان کا علاج بھی ذکر کر دیا جائے جو کہ در اصل مقصودِ کتاب ہے۔

قارئینِ کرام سے مؤدبانہ التماس اور عاجزانہ گذارش کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ رسالہ ھٰذا کے مطالعہ سے اگر کچھ بھی نفع محسوس ہو اور اندرونِ قلب اخلاص و للّٰہیت میں اضافہ ہو تو اِس عاجز کو ہرگز اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ اور اگر پورے رسالہ میں کسی بھی جگہ کوئی چیز قابل اصلاح ہو تو اس پر بھی ضرور مطلع فرمائیں، احقر کو بڑی خوشی ہوگی اور بندہ آپ کا دل سے شکر گذار ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کے پڑھنے والوں کو دولتِ اخلاص سے مالا مال فرمادے اور ریا کاری و حبِ جاہ و شہرت کے مرض سے مکمل چھٹکارا عطا فرمادے، اور خدا کرے کہ یہ رسالہ نافع للخلق ہونے کے ساتھ ساتھ رضائے خالق کا بھی باعث ہو۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ الْمُعِیْنُ وَالْمُیَسِّرُ.

محمد امجد عفی عنہ

۱۸/ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ، مطابق ۲۲/ جون ۲۰۱۹ء

مَرْکَزُ التَّوْحِیْدِ وَالْاِحْسَانْ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اختریہ

❶ آزادول، جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ

❷ گلستان اختر، مانکی، دیوبند، انڈیا

اخلاص کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت

اخلاص کے متعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی ہم جیسوں کے لئے امید کی بڑی کرن

حدیثِ پاک میں ہے:- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا. (ترمذی:۲/۵۲)

اس حدیثِ پاک کے تحت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:-

"مَا أُمِرَ بِهِ" المراد به الإخلاص،فإنه مأمور به. قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾." (الکوکب الدری:۳/۱۸۶)

اس کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ قربِ قیامت کے وقت آنے والے لوگوں میں اگر اخلاص کے مطلوب ومامور بہ درجہ کا دسواں حصہ بھی ہوگا تب بھی وہ نجات پاجائیں گے۔ اگرچہ دوسرے محدثین وعلماء نے اس کی اور بھی تشریحات کی ہیں۔

بہر حال حضرت گنگوہی قدس سرہ کی یہ تشریح آج کے دور کے ہم جیسے ناقص وناہل، کمالِ اخلاص کے متلاشی وطلبگار لوگوں کے لئے امید کی ایک بڑی کرن ہے۔

اخلاص کی حقیقت اور اس کی ضرورت واہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

أَمَّا بَعْدُ. قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی: أَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (الزمر:۳)

وَقَالَ تَعَالٰی: قُلْ إِنِّیْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ (الزمر:۱۱)

اخلاص کا معنی ومطلب اور حقیقت۔ ارشادِ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شئے کی ہو، یعنی عمل کا محرک یا تو صرف ریا ہو، یا محض رضائے حق۔ ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں، کیونکہ خالص اس شئے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو، مگر اصطلاحِ شرع میں اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ محض حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو۔ عبادت سے مقصود اگر عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائیگا اور اگر اس میں ریا اور دکھلاوے کی آمیزش ہے یا عبادت کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدے کا ارادہ بھی شامل ہے تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے، جیسے مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے سے پرہیز کرنے سے بیماری کو نفع ہو گا۔ بس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے۔

یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام ہے اور عند اللہ محبوب ہے اور یہ بھی نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہو گی اور حرکت سے مزاج صحت واعتدال پر آجائے گا، یا اہل وعیال کے بار سے چند روز کے لئے خلاصی مل جائے گی، یا دشمنوں کی ایذاؤں سے نجات حاصل ہو گی، یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے پس سفر میں دل بھی بہل جائے گا۔ اسی لئے بعض اہلِ بصیرت کا قول

ہے کہ "اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہوجائے تونجات مل جائے گی۔" (تبلیغ دین: ص ۲۵۷)

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مبارک ہو اس شخص کو جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو۔"

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "اے نفس! اخلاص پیدا کرتا کہ خلاصی حاصل ہو۔" (تبلیغ دین: ص ۲۸۳)

ارشادِ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اپنی اطاعت وبندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کی نیت رکھنا اور اس میں مخلوق کی خوشنودی اور رضامندی یا اس میں اپنی کسی نفسانی خواہش کو نہ ملنے دینا یہ اخلاص کی حقیقت ہے، یعنی انسان جب بھی کوئی عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا کوئی بھی کام کرنے لگے تو اس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کی نیت ہو، نہ اپنی کسی نفسانی خواہش کا دخل ہو اور نہ مخلوق کی نظر میں بڑا بننے یا ان کو راضی کرنے کی نیت ہو، جبکہ اس کے مقابل ریا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یہ نیت کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری عزت یا شہرت ہوجائے، یعنی اپنے عمل کے ذریعہ سے یہ بات چاہنا کہ میں لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوجاؤں" (اصول الوصول: ص ۵۰)

اِسی مفہوم کو دوسرے مقام پر حضرت مجدِّد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:-

فَقَدِ انْكَشَفَ لِأَرْبَابِ الْقُلُوْبِ بِبَصِيْرَةِ الْاِيْمَانِ وَأَنْوَارِ الْقُرْآنِ أَنْ لَّا وُصُوْلَ إِلَى السَّعَادَةِ إِلَّا بِالْعِلْمِ وَالْعِبَادَةِ، فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ هَلْكىٰ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ، وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَلْكىٰ اِلَّا الْعَامِلُوْنَ ، وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ هَلْكىٰ اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ، وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلىٰ خَطَرٍ عَظِيْمٍ. (خطبات الاحکام : ص ۱۱۹)

جس کا مفہوم و خلاصہ یہ ہے کہ پوری انسانیت تباہی و بربادی کا شکار ہونے والی ہے بجز ان لوگوں کے جنہوں نے دین کا علم حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات و نامرضیات سے واقف ہو گئے، بس یہ لوگ نجات پائیں گے۔

پھر ان علماء نے اگر اپنے علمی تقاضوں پر عمل نہ کیا اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ پر چل کر من مانی زندگی گذارتے رہے تو یہ سب بھی ہلاک و برباد ہو جائیں گے اور ان کا علم ان کو دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے نہ بچا سکے گا، اس لئے کہ نجات جبھی ہو گی کہ جب اس علم پر عمل ہو گا۔

اور علم پر عمل کرنے والے بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے اگر ان کے اعمال اخلاص سے خالی ہوئے۔ بس نجات پانے والے صرف وہ علمائے عاملین ہوں گے جو کہ مخلصین ہوں۔ اس لئے علم و عمل و اخلاص تینوں نجات کے لئے ضروری ہیں۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ عقلی طور پر یہ مضمون بالکل بدیہی اور واضح ہے۔ اس لئے کہ علم سے روشنی ملے گی اور راستہ معلوم ہو گا، اور عمل سے اس پر چلنا ہو گا تو اگر راستہ کا صحیح علم نہ ہو تو گمراہی اور اگر علم ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو وہ علم غیر نافع اور بے سود ہوا۔ اور پھر عمل کرنے سے وجودِ عمل تو ہوا مگر قبول کیلئے اخلاص کی ضرورت ہے، کیونکہ ظاہر ہے جس کے لئے مزدور دن بھر محنت و مزدوری کرے گا اُسی سے بدلہ ملے گا، تو اگر اللہ کے لئے عمل ہے تو پھر اجر و ثواب بھی ہے، ورنہ نہیں۔

اِسی کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ایک اعمال کا وجود ہے اور دوسرے اعمال کا قبول ہے۔ صرف وجودِ اعمال رضائے خداوندی اور تقربِ الٰہی کے حصول کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ ان کا قبول مقصود ہے جیسا کہ ایک جسم ہے اور ایک روح ہے، خالی جسم بغیر روح کے مردہ بے جان ہوتا ہے، کسی کام کا نہیں ہوتا، اسی طرح اعمال بدونِ اخلاص کے یوں سمجھو کہ بے جان اور مردہ ہیں۔

اسی طرح اخلاص کے معنی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیتِ قرآنی

"إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ" (النساء:۱۴۶) کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: "مخلص کے معنی فقہاء نے یہ بیان کئے ہیں: اَلَّذِیْ یَعْمَلُ لِلّٰہِ لَا یُحِبُّ أَنْ یَّحْمَدَہُ النَّاسُ عَلَیْہِ یعنی مخلص وہ آدمی ہے جو عمل محض اللہ ہی کیلئے کرے، اور اس بات کو وہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے عمل کی تعریف کریں۔" (معارف القرآن: ج ۲، ۵۹۰)

ارشادِ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "شریعت کے تین جزء ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہ ہوگی۔ شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری تعالیٰ ہی تمام سعاداتِ دنیویہ واخرویہ سے بلند وبالا ہے۔ "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ" (التوبۃ:۷۲) پس شریعت ہی تمام سعادتِ دارین کی ضامن ہے۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں: "اس لئے کہ منازلِ طریقت وحقیقت کو طے کرنے سے مقصود سوائے تحصیلِ اخلاص کے اور کچھ نہیں، اور اخلاص رضائے باری تعالیٰ کو مستلزم ہے۔"

(شریعت وطریقت کا تلازم: ص ۹۳)

ارشادِ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اعمال کا ایک تو ظاہری ڈھانچہ ہے اور ایک ان کی روح ہے۔ کسی عمل کی قبولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کا ظاہری ڈھانچہ بھی درست ہو اور اس میں روح بھی موجود ہو۔ اگر عمل کا ظاہری ڈھانچہ غلط ہے تب بھی وہ عمل مردود ہے اور اگر ظاہری ڈھانچہ تو درست ہے لیکن اس میں روح نہیں تب بھی وہ مردود اور مردار ہے۔

ظاہری ڈھانچہ کے صحیح ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ

طریقہ اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اور روح سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل محض رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے، مخلوق کو دکھانے یا سنانے کے لئے نہ کیا جائے، پس جو عمل سنتِ نبوی علیٰ صاحبھا الصلوات والتسلیمات کے خلاف ہو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس کی بھی کوئی قیمت نہیں، خواہ کرنے والے نے کتنے ہی اخلاص سے کیا ہو۔

اور جس عمل سے مقصود رضائے الٰہی نہ ہو وہ بھی نہ صرف یہ کہ بے قیمت ہے، بلکہ جس طرح روح نکل جانے کے بعد جسم گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح ایسے اعمال جن کا مطمحِ نظر مخلوق کی خوشنودی تھی، قیامت کے دن متعفن ہو جائیں گے اور ریا کاری کی بدبو سے خود عمل کرنے والے کا دماغ بھی پھٹا جائے گا، وہ اس تعفن کو چھپانے پر قادر نہ ہو گا، بلکہ اہلِ محشر کو اس کی نیت کی گندگی معلوم ہو جائے گی۔ نعوذ باللہ۔" (دنیا کی حقیقت: ص ۱۵۱)

القصہ مختصر یہ کہ احقر خود اپنے لئے صفتِ اخلاص کے حصول کو بہت اہم اور ضروری سمجھتا ہے اور اس سلسلہ میں دل دل میں بہت ہی خوف اور ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم وہ بہت سے اعمال جو ہم دین کے نام پر کرتے ہیں ان میں اخلاص کی اتنی مقدار ہے یا نہیں کہ جو عند اللہ قبولیتِ اعمال کے لئے ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جیسوں کی تو کیا حیثیت ؟ یہ تو ایسی چیز ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے نفوسِ قدسیہ اس سلسلہ میں کانپتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو جب حدیثِ ریا سناتے تو چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے، اور کیوں نہ ہو جبکہ قرآن وحدیث میں ریا کو شرکِ اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شرک کا لفظ ہی خواہ وہ اصغر ہو یا اکبر ہو اس کے بھیانک اور خطرناک جرم ہونے کو بتانے اور مومن کے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اخلاص کے متعلق آیاتِ کریمہ

(۱)"فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" :(الزمر:۲ /۳)

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ"لفظ دین کے معنی اس جگہ عبادت کے ہیں یا طاعت کے جو تمام احکامِ دینیہ کی پابندی کو عام اور شامل ہے۔ اس کے پہلے جملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت وطاعت کو خالص اسی کے لئے کریں جس میں کسی غیر اللہ کے شرک یا ریاء ونمود کا شائبہ نہ ہو، دوسرا جملہ اسی کی تائید کے لئے ہے کہ اخلاصِ دین صرف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس کے سوا کوئی اور مستحق نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بعض اوقات کوئی صدقہ وخیرات کرتا ہوں، یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف وثنا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو، پھر آپؐ نے آیتِ مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی: "أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" (قرطبی، معارف القرآن ج ۷ ص ۵۳۶)

اعمال کی قبولیت عند اللہ بمقدارِ اخلاص ہے

متعدد آیاتِ قرآنی اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں، وزن سے ہوتا ہے۔ "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ" (الانبیاء:۴۷) اور آیاتِ مذکورہ نے بتلادیا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کی قدر اور وزن بقدرِ اخلاص ہوتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ کمالِ اخلاص بدون کمالِ ایمان حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اخلاصِ کامل یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع وضرر کا مالک

سمجھے اور نہ اپنے کاموں میں کسی غیر اللہ کو متصرف خیال کرے، نہ کسی طاعت وعبادت میں غیر اللہ کا اپنے تصور سے دھیان آنے دے۔ غیر اختیاری وساوس کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مسلمانوں کی صفِ اول میں ہیں ان کے اعمال وریاضات کی تعداد کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی، مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمالِ ایمان اور کمالِ اخلاص ہی تو ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص۵۳۶)

(۲) ''قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ'' (الزمر:۱۱) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اُسی کے لئے خالص رکھوں، یعنی اس میں شائبہ شرک کا نہ ہو۔ (معارف القرآن:ج ۷، ص۵۴۵)

نکتہ: میرے بھائیو! ہمیں اپنی طاعات وعبادات کو عند اللہ قیمتی اور وزنی بنانے کے لئے کوئی بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہر قول وفعل اور طاعت وعبادت میں کمالِ اخلاص کی فکر اور اہتمام کریں اور اس سلسلہ میں اپنا محاسبہ اور قلب کی پاسبانی ونگرانی رکھیں کہ کسی بھی عمل میں کسی بھی درجہ میں غیر اللہ کی رضا وخوشنودی یا اپنی تعریف ومدح، یا منصب ودولت کی طمع وحرص کا خیال دل میں نہ آنے پائے۔

(۳) ''قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ'' (الانعام:۱۶۲) آپ فرمادیجئے کہ اِس دین کا حاصل یہ ہے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ اس کا استحقاقِ عبادت یا تصرفاتِ ربوبیت میں کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ہماری یہ سب چیزیں صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہی ایمانِ کامل اور اخلاصِ کامل کا نتیجہ ہے کہ انسان

اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو پیشِ نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہان کا ایک رب ہے، میں اس کا بندہ ہوں اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں، میرا قلب و دماغ، آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پیر، قلم اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھنا چاہیئے۔ یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل و دماغ میں مستحضر کرلے تو صحیح معنی میں انسان اور کامل انسان ہوجائے، اور گناہ و معصیت اور جرائم کا اس کے آس پاس بھی گذر نہ ہو۔

تفسیر درِ منثور میں اس آیت کے تحت میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفۂ زندگی بنالے۔

اور اللہ کے لئے ہونے کا مطلب تو ظاہر ہے کہ ان میں شرک یا ریاء، یا کسی دنیوی مفاد کا نہ ہونا مراد ہے۔" (معارف القرآن: ج ۳ ،ص ۵۰۹)

اخلاص و مخلصین کی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قیمت و اہمیت

(۴) "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ" (الکہف:۲۸) اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام یعنی علی الدوام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں، کوئی غرض دنیوی نہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ آگے تحریر فرماتے ہیں: "یعنی مراد یہ کہ تعلقات اور توجہات سب ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رہیں، معاملات میں انہی سے مشورہ لیں، انہی کی امداد و اعانت سے کام کریں اور اس کی وجہ اور حکمت ان الفاظ سے بتلادی گئی کہ یہ لوگ صبح و شام یعنی ہر حال میں اللہ کو پکارتے اور اسی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا جو عمل ہے وہ خالص اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے۔" (معارف القرآن: ج ۵ ،ص ۵۸۶)

فائدہ:- بعض روایات میں آیا ہے کہ:-

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَعْضِ أَبْيَاتِهِ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، خَرَجَ يَلْتَمِسُهُمْ ، فَوَجَدَ قَوْماً يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْهُمْ ثَائِرُ الرَّأْسِ ، وَجَافُّ الْجِلْدِ ، وَذُو الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَلَمَّا رَآهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ أَمَرَنِيْ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ. (معرفۃ الصحابۃ : ابو نعیم الاصبہانی، حدیث نمبر ۴۱۱۲).

یعنی خلاصہ ٔحدیث شریف یہ ہے کہ یہ لوگ بال بکھرے ہوئے، ایک کپڑا پہنے ہوئے، جن کی کھالیں سخت تھیں، یعنی فقراء وغرباء تھے، مگر چونکہ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ کی خاص صفت کے حامل تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف التفات اور خصوصی توجہات کے لئے حکم دیا گیا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ غربت و مالداری انسان کے لئے وجہِ امتیاز نہیں۔ اصل قیمتی جوہر انسان کے اندر یہ ہے کہ وہ اللہ کی یاد اور ذکر وطاعت میں کمالِ اخلاص کی صفت سے متصف ہو۔

❀❀❀

اخلاص کے متعلق احادیثِ مبارکہ

اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کیفیتِ عمل مقصود ہے، کمیت نہیں

(۱)عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ حِيْنَ بُعِثَ إِلَى الْيَمَنِ يَارَسُوْلَ اللهِ أَوْصِنِيْ، قَالَ: "أَخْلِصْ دِيْنَكَ يَكْفِكَ الْعَمَلُ الْقَلِيْلُ"

(خطبات الاحکام: ص۱۲۰ ،الترغیب: ج۱ ،ص ۵۴)

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا گیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دین کو خالص کرلو تمہیں تھوڑا سا عمل کافی ہوجائے گا، یعنی اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ کیا ہوا تھوڑا سا عمل ایک مؤمن کی نجات اور فوز و فلاح کے لئے کافی ہے۔

تنبیہ:- اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں کمیت ومقدار اور کثرت وزیادتی نہیں دیکھی جاتی، بلکہ کیفیت اور دل کی مخلصانہ حالت پر نظر ہوتی ہے اور اسی سے قبولِ اعمال کا فیصلہ ہوتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں یہ بات گذری کہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اعمال کا جو وزن کریں گے وہ ان کی کیفیات ہی کے اعتبار سے ہوگا یعنی تھوڑے عمل والے جبکہ ان میں کمالِ اخلاص ہو ان بڑے بڑے اعمال والوں سے بڑھ جائیں گے جن میں اخلاص کم ہوگا۔ اور رہ گئے وہ اعمال کہ جن میں اخلاص ہی نہ ہوگا تو وہ سخت عذاب کا سبب بنیں گے۔

مخلص ہونے کی حالت میں دنیا سے رخصت ہونے پر جنت کا پروانہ

(۲)قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ "مَنْ فَارَقَ الدُّنْيَا عَلَى الإِخْلَاصِ لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ فَارَقَهَا وَاللهُ عَنْهُ رَاضٍ" (الترغیب:ج۱ ،ص ۵۳)

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا، یعنی اس کو اس حال میں موت آئی کہ اس کے اندر ایک تو یہ صفت تھی کہ اس کا ہر عمل خالص اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ہوتا تھا اور دوسرے یہ کہ نماز کو بڑی اچھی طرح پابندی سے ادا کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا تو ایسا شخص اس حال میں دنیا سے جدا ہوگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے راضی وخوش ہوں گے۔

فائدہ:- میرے پیارے بھائیو! اس حدیث شریف میں اخلاص کی کس قدر فضیلت ذکر ہوئی ہے، کیونکہ مقصودِ حیاتِ مؤمن ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہے، سو جس عمل پر پروانہ رضائے خداوندی نصیب ہو وہ کس قدر قیمتی ہے اور اس کا حاصل کرنا کس قدر ضروری ہے۔

مخلصین ہی رشد وہدایت کے چراغ ہیں

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "طُوْبٰى لِلْمُخْلِصِيْنَ أُولٰئِكَ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى تَنْجَلِيْ عَنْهُمْ كُلُّ فِتْنَةٍ ظَلْمَاءَ" (الترغیب: ج ۱، ص ۵۴)

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ ارشاد فرمارہے ہیں کہ مخلصین کے لئے بڑی بشارت وخوشخبری ہے۔ روئے زمین پر رشد وہدایت کے چراغ اور مینارۂ خیر یہی لوگ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے بھیانک اور خطرناک فتنے ان سے چھَٹ جاتے ہیں، اور یہ لوگ بڑی آسانی سے ان فتنوں سے نکل جاتے اور محفوظ رہتے ہیں۔ سخت اندھیری وتاریک رات کی طرح اندھیرے میں ڈوبے ہوئے فتنے ان حضرات سے چھَٹتے چلے جاتے ہیں جس طرح شب کی ظلمتیں اور اندھیرے دن میں سورج کی روشنی آنے سے چھٹ جاتے ہیں۔

فائدہ:- دینی ودنیوی لحاظ سے لوگوں کو بڑے بڑے منصب وعہدے اور القاب وخطابات دیئے جاتے ہیں، اور مخلوق کی نگاہوں میں مختلف نوعیتوں سے ان کی عظمتوں اور بڑائیوں، خوبیوں اور شہرتوں کے سکے جمے ہوتے ہیں، مگر بڑے مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ اللہ کے بندے کہ خواہ ان کا لوگوں کی نگاہوں میں کوئی مقام ہو یا نہ ہو، شہرت یافتہ ہوں یا نہ ہوں، لیکن اپنے کمالِ اخلاص کی

وجہ سے وہ بارگاہِ خداوندی میں اِس قدر پیارے اور مقبول ہوتے ہیں کہ انہیں حدیثِ بالا میں رشد و ہدایت کا چراغ کہا گیا ہے۔

اسی لئے احقر عرض کرتا ہے کہ دینِ اسلام کی روشنی اور قرآن وسنت کے انوارات جس طرح مخلصین اولیاء اللہ سے پھیلتے ہیں اور کفروشرک اور فسق وفجور کی ظلمتیں اور اندھیرے جس تیزی سے چھٹتے چلے جاتے ہیں، وہ دوسرے دینی گروہوں سے نہیں ہو پاتے۔

اور فتنوں کے زمانہ میں بھی وہ ایسے نورانی بصیرت والے فیصلے کرتے ہیں، اور ایسی صاف و روشن دینی رائے پر قائم ہوتے اور جمتے ہیں کہ فسق و فجور کی سخت ومہیب آندھیاں اور کفروضلالت کے بڑے بڑے بھونچال ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خاص قسم کی سوجھ بوجھ عطا کر دی جاتی ہے۔ اس لئے علم وعمل کے ساتھ زندگی کے ہر موڑ پر اپنی ہر نقل وحرکت میں اخلاص نہایت ہی شدید ضروری ہے۔ اور گویا یوں کہئے کہ اخلاص کے وصفِ خاص پر فتنوں سے حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔

صرف اخلاص والے اعمال ہی مقبول ہیں

(۴) ایک لمبی روایت میں یوں ہے کہ ''یَا اَیُّھَا النّاسُ أَخْلِصُوْا أَعْمَالَکُمْ فَإِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَا یَقْبَلُ مِنَ الْأَعْمَالِ إِلَّا مَا خَلُصَ لَہٗ'' وفی نسخۃ ''مَا أُخْلِصَ لَہٗ'' (الترغیب: ج۱ ،ص ۵۵)

یعنی خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اے لوگو! اپنے اعمال اور طاعات وعبادات کو اللہ کے لئے خالص کرلو، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتا ہے جو خالص اُس کی رضا کے لئے کئے گئے ہوں۔

فائدہ:- بہت واضح اور صاف ہوگیا کہ قبولیتِ اعمال کا مدار اخلاص پر ہے۔ بدون اس کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے ہی بڑے سے بڑے عمل اور اونچی سے اونچی خدمت کو قبولیت نصیب نہیں ہوتی۔

اخلاص سے خالی ہر قول وعمل باعثِ لعنت ہے

(۵)قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا مَا ابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُ اللهِ تَعَالٰى" (الترغیب:ج۱،ص ۵۵).

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا پوری کی پوری لعنت کی ہوئی ہے اور وہ سب کچھ جو اس دنیا میں ہے، سوائے وہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی چاہی گئی ہو۔

فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے دینی کارنامے اور قومی وملی خدمات بھی جبکہ اخلاص کے بغیر ہوں، سب کی سب بارگاہِ خداوندی میں مردود ہیں، مقبول نہیں ہیں، جیسے بعض لوگ ان سب خدمات کو صرف اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کا اور ان کی تنظیم کا نام خوب چمک جائے، خواہ اس کے لئے ان کو بعض خلافِ شریعت کام ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال میں اخلاص کی کس قدر فکر اور ریا سے بچنے کا کس قدر اہتمام کرنا چاہئے۔

اخلاص کے بغیر جو کچھ بھی ہو سب جہنم کا ایندھن ہے

(۶)"عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: يُجَاءُ بِالدُّنْيَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ مِيْزُوْا مَا كَانَ مِنْهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيُمَازُ وَيُرْمٰى سَائِرُهُ فِي النَّارِ" رواه البيهقي عن شهر بن حوشب عنه موقوفاً (الترغیب:ج۱،ص ۵۵)

یعنی خلاصہ یہ کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا کو لایا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا کہ جو خالص اللہ کے لئے تھا اس کو الگ کرلو چنانچہ اسے الگ کرلیا جائے گا، اور اس کے علاوہ باقی سب کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

یعنی جنت کے لائق صرف وہی اعمال ہوں گے جو کہ خالص اللہ کے لئے کئے گئے ہوں اور مدارِ نجات بندوں کی وہی کوششیں اور جد وجہد ہوں گی کہ جن میں اخلاص رہا ہوگا اور باقی سب جہنم کا ایندھن

ہوں گی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ۔اور یہ بات محدثین کے یہاں مسلم ہے کہ اس قسم کے معاملات چونکہ عقلی و منطقی نہیں ہوتے، اس لئے ان کے متعلق جو بات موقوفاً مروی ہو اور صرف صحابی کا قول ہو تو وہ بھی مرفوع، یعنی قولِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں ہوتی ہے۔

فائدہ:- یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عمل کرنا اصل نہیں ہے، اللہ کے لئے کرنا اہم اور اصل ہے، اور ایسے ہی اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں، اور جن اعمال میں غیر اللہ کے لئے کرنے کی نیت رہی ہو گی، وہ اور ان کے کرنے والے سب جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

ایک چلہ کے اخلاص پر دردِ دل اور زبانِ ترجمانِ دردِ دل کا انعام

(۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ’’مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰہِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ظَھَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ‘‘ (الترغیب: ج۱، ص ۵۵)

یعنی خلاصہ یہ کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ چالیس دن تک اللہ کے لئے عبادت کرے تو حق تعالیٰ اس کے دل سے حکمت کے سرچشمے اس کی زبان پر جاری فرمادیتے ہیں۔

فائدہ:- گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ چالیس دن تک اخلاصِ عمل و عبادت کی تاثیر یہ ہے کہ قلب میں حکمت کی خاص باتیں اور وہبی خصوصی علوم بھی عطا ہوجاتے ہیں اور ساتھ ہی زبان بھی واعظ و مقرر بنادی جاتی ہے، بقول میرے شیخ و مرشد حضرت والا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ: کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو دردِ دل عطا فرماتے ہیں تو زبانِ ترجمانِ دردِ دل بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ اس حدیث میں اخلاصِ عمل کی کس قدر فضیلت اور اہمیت کا بیان ہوا ہے، کیونکہ دونوں باتیں بڑے مجاہدوں اور محنتوں سے نصیب ہوتی ہیں۔ مدرسوں میں کتنی محنتیں اور مشقتیں کرنی پڑتی ہیں تب بھی بعض ہی اچھے مقرر و واعظ بن پاتے ہیں، اور یہاں صرف چالیس دن اخلاصِ عبادت کی برکت سے زبانِ نبوت سے یہ بات کہلوائی جارہی ہے کہ زبانِ ترجمانِ دردِ دل بھی ضرور مل جائے گی۔

اخلاص کا تھرمامیٹر بزبان حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ

اس مقام پر ایک بڑی اچھی اور عمدہ بات ذہن میں آئی، جس کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جسے احقر نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار سنا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص کا ایک بڑا معیار و کسوٹی اور ہمارے مخلص ہونے کی اہم پہچان یہ ہے کہ اگر ہم دین کا کوئی کام کر رہے ہوں اور پھر ہم کو کہیں سے یہ خبر ملے کہ ہماری ہی بستی وشہر میں کوئی دوسرا دین کا درد رکھنے والا بھی آکر دین کی ویسی ہی خدمت کرنے لگا اور ماشاء اللہ لوگوں کو اس سے بڑا فائدہ ہو رہا ہے، اس کا کافی دینی فیض پھیل رہا ہے، اور اس کی طرف وہاں کے باشندوں کا کافی رجوع بھی ہونے لگا ہے۔ تو ایسے موقع پر اگر ہمارے دل میں خوشی محسوس ہو کہ ماشاء اللہ بہت ہی اچھا ہوا کہ ایک بڑے عالم ہمارے علاقہ میں آگئے اور جو کام کہ کل تک میں اکیلا کر رہا تھا اب اس کے کرنے میں ایک معزز عالم دین شریک ہوگئے، تو انشاء اللہ تعالیٰ دین کا کام زیادہ ہوگا۔ کام کی مقدار پہلے سے بڑھ جائے گی۔

اگر قلب کی صورتِ حال ایسی ہے تب تو سمجھو کہ آپ مخلص ہیں اور جو دین کی خدمت آپ انجام دے رہے ہیں بلاشبہ وہ مخلصانہ اور للّٰہیت پر مبنی ہے۔

لیکن اگر اس شخص کی علاقہ میں مقبولیت ومحبوبیت اور اس کی طرف لوگوں کا رجوع دیکھ کر ہمارے دل میں اس کی طرف سے ایک چبھن اور کڑھن سی شروع ہوجائے اور ہمیں یہ احساس و تکلیف ہونے لگے کہ اچھے خاصے لوگ ہماری طرف رجوع کیا کرتے، آتے جاتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے، اس نے تو آکر ہماری ساری محنت پر پانی پھیر دیا اور سب ٹوٹ ٹوٹ کر اُدھر جانے لگے، تو پھر سمجھ لو کہ یہ واضح دلیل ہے کہ ہمارا قلب اخلاص سے خالی ہے۔ اگر اخلاص ہوتا تو خوشی ہونی چاہئے تھی، ٹھیک اسی طرح جیسے کہ مثال کے طور پر اگر چار شخص کسی جنازے کو کاندھا دے کر لئے جا رہے ہوں، اور ان کو راستہ میں چار افراد اور مل گئے، پھر کچھ دیر کے بعد چار حضرات اور مل گئے، تو ظاہر ہے کہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ اور چند لوگ تعاون کے لئے ساتھ شامل ہوگئے، کام اور آسان ہوگیا، یہ

بات غمگین و رنجیدہ ہونے کی نہیں ہے۔

ٹھیک اسی طرح دینی خدمت کا معاملہ بھی ہے، اگر ہماری جیسی دینی خدمت کے لئے مزید چند لوگ مل جائیں تو اور خوش ہونا چاہیئے، مگر ظاہر ہے کہ یہ جبھی ہوگا جبکہ آدمی مخلص ہو۔

دو دکانیں قریب قریب چل سکتی ہیں تو دو مدرسے کیوں نہیں؟

چنانچہ حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے بنگلہ دیش میں ایک مقام پر جہاں پہلے سے ایک مدرسہ چل رہا تھا، جب وہاں دوسرا مدرسہ قائم ہونے لگا تو حضرت والا سے کسی نے اس کا تذکرہ کیا اور بطور حسرت کے یہ بات کہی کہ اس جگہ ایک مدرسہ پہلے سے ہے اب یہاں دوسرا مدرسہ کھلنے جارہا ہے تو حضرتؒ نے بڑا قیمتی جواب ارشاد فرمایا کہ جس طرح دنیا کے دو تاجر اور کاروباری لوگوں کی دو دکانیں ایک جگہ پر چل سکتی ہیں، جبکہ وہاں اخلاص وعدمِ اخلاص کا کوئی معاملہ نہیں ہے، وہ محض ایک کاروباری دنیوی معاملہ ہے، تو پھر دو مخلص مہتمم حضرات کے دو دینی ادارے ایک جگہ کیوں نہیں چل سکتے؟ اگر اخلاص ہے تو ہر ایک کو دوسرے مدرسہ کے وجود اور اس کی خدمات سے خوشی ہونی چاہیئے اور باہمی طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے اور اس طرح طلبہ علومِ دینیہ اور وہاں کے لوگ دونوں مدرسوں سے مستفید ہوتے رہیں گے، چنانچہ وہ دونوں مدرسے اب بھی بنگلہ دیش میں چل رہے ہیں، غالباً ایک کا نام بیت العلوم ہے اور دوسرے کا نام روضۃ العلوم ہے۔ اللہ کے نیک اور مخلص بندے تو درحقیقت اپنے لئے گمنامی، بلکہ بے نامی کو پسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب دوسرے خدامِ دین علاقہ میں آتے ہیں تو ان کو رنج وغم نہیں، بلکہ اور خوشی ہوتی ہے، کیونکہ اس سے ان کی گمنامی کی تمنا پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہمارے اکابر واسلاف علماء دیوبند کا عموماً یہی مزاج رہا کہ خوب دینی خدمات کرتے تھے اور چھُپتے تھے۔ اسی کمالِ اخلاص نے ان کا فیض پورے عالم میں پھیلا دیا۔ ان کا نام بھی چمکا اور ان کا کام بھی چمکا۔

تحفۃ المخلصین وتنبیہ المرائین
پند ونصیحت کے لئے منبر پر وعظ کہنا
تو انبیاء ومرسلین کا طریقہ ہے، لیکن جاہ و مال
اور شہرتِ عام کے لئے ایسا کرنا منجملہ ضلالتِ یہود و نصاریٰ ہے۔
(در مختار مع الشامی: ج۵، ص۲۷۹)
خوفِ مذمت وملامت
محبتِ جاہ وعظمت
اخلاص سے محرومی
کے بنیادی اسباب
اور ان کا علاج
حرصِ مال ودولت
چاہتِ شہرت ومقبولیت
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
نے ارشاد فرمایا: "اگر علمائے دین اپنے علم کی صحیح قدر کرتے تو وہ اپنے تمام اہلِ زمانہ پر
عزت وشرافت میں سیادت وسرداری حاصل کر لیتے، لیکن جب انہوں نے محض کچھ
دنیوی مفادات کے حصول کے لئے اپنے علم کو اہلِ دنیا کے قدموں میں ڈال دیا تو وہ
ان کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو گئے۔
(مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۸۷)
۳۲

اخلاص سے محرومی کے بنیادی اسباب اور ان کا علاج

صاحبو! اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر سامنے آئے گی کہ ریا کے اسباب و وجوہات تقریباً چار چیزوں کے اندر سمٹے ہوئے ہیں۔

۱۔ حرصِ مال و دولت

۲۔ خوفِ مذمت و ملامت

۳۔ چاہتِ شہرت و مقبولیت

۴۔ محبتِ جاہ و عظمت

اور یہ چاروں اسباب ایسے ہیں کہ اگر دل میں ایمان کی حقیقت موجود ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان درجۂ استحضار و کیفیتِ احسانی میں حاصل ہو جائے تو خود بخود یہ چاروں وجوہات دل کے اندر سے بالکل صاف ہو جائیں گی۔ اس لئے اس مقام پر اس مضمون کو اولاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تبلیغِ دین" سے پیش کیا جاتا ہے، اور پھر اس کے بعد احقر ایک خاص مضمون بعنوان "اخلاص کی حکمتیں اور مخلص ہونے کے فلسفے" کے ضمن میں پیش کرے گا۔ ان دونوں مضمونوں کے اندر طالبین و سالکین کے لئے ریا کاری کا مکمل علاج موجود ہے۔

اگر کوئی شخص ہفتہ واری یا ماہانہ طور پر ان دونوں مضمونوں کا مطالعہ کرتا رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اس خطرناک اور مہلک بیماری سے مکمل شفاء حاصل ہو جائے گی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

- ریا بڑا مہلک مرض ہے، اس کا علاج بڑی مستعدی کے ساتھ ہونا چاہئے۔
- یاد رکھو کہ ریا کا سبب اکثر و بیشتر:۔

۱۔ یا تو حبِّ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہے

۲۔ یا مذمت کا خوف واندیشہ

۳۔ یا مالِ دنیا کی حرص وطمع

۴۔ (اِسی میں احقر راقمِ سطور نے ایک چیز کا اور اضافہ کیا ہے، یا چاہتِ شہرت ومقبولیت)

سببِ اول: حبِّ مدح کا علاج

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص میدانِ جنگ میں اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ اس کو شجاع کہیں، یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار و پرہیز گار کہیں تو یہ "حُبِّ مدح" ہے۔

خوب سمجھ لو کہ اس حب مدح نے لوگوں کو برباد کر دیا، اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہو گئے، پس اس کا علاج کرنا چاہئے۔ غور کرو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کر رہا ہے، اگر تمہارے مال اور عزت کی تعریف کر رہا ہے تو سمجھو کہ یہ تو کوئی کمال کی چیز نہیں ہے، مسرت تو حقیقی کمال یعنی معرفتِ الٰہی کے حصول پر ہونی چاہئے اور وہمی کمال تو رونے کا مقام ہے، نہ کہ مسرت کا۔ یہ شہرت اور دنیا کی نیک نامی محض فرضی اور وہمی ناقابل اعتبار کمال ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن، تعریف کرنے والے اور ان کی تعریفیں اور سپاسنامے سب یہیں رہ جائیں گے اور کسی سے کچھ نفع نہ ہو گا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے، یعنی معرفتِ الٰہی کہ اس کو کبھی فنا ہی نہیں۔

اور اگر تمہارے زہد واتقاء کی تعریف ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو یہ کہ درحقیقت تم زاہد اور متقی ہو اور تمہاری تعریف اس بارے میں سچی ہو رہی ہے، یا محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہاری جھوٹی تعریف کی جارہی ہے، پس اگر سچی تعریف ہے تو اس کا علاج اس طرح کرو کہ دل میں سوچو اور غور کرو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرمالینا خوشی کی بات ہے، نہ کہ دوسروں کا

بیان کرنا، کیونکہ لوگوں کے اظہار کو قبولیت اور قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہیں ہے۔

اور اگر زہد واتقاء کی تعریف جھوٹی ہورہی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے، کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص تمہاری تعریف کرنے لگے کہ آپ کی آنتوں اور معدے سے عطر کی خوشبو آرہی ہے، حالانکہ تم واقف ہو کہ اس میں تو نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے، اور پھر اس بے جا مدح اور بے موقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگے۔ تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ بے وقوفی کیا ہوگی۔ اس پر عمل کرنے سے امید ہے کہ حب مدح کی جڑ کٹ جائیگی۔ (تبلیغِ دین: ص ۱۵۴)

یہی ریا جو آج عابد وزاہد کہلارہی ہے،
کل قیامت کے دن مکار وریا کار کہلائے گی

اس کے علاوہ ریا کاری کے مرض کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ خیال بھی بہت مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجھ کو لوگوں کی زبان سے عابد اور شجاع کہلارہی ہے کل کو قیامت کے دن حشر کے میدان میں ساری مخلوق کے سامنے مجھ کو رسوا اور ذلیل کرائے گی، میرا نام فاجر و مکار اور ریا کار پکارا جائے گا۔ اس پر طرہ یہ کہ میرا کیا کرایا سب بیکار ہوجائے گا اور وہ اعمال جن کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کیا تھا حبط اور ضائع ہوجائیں گے، پس لوگوں کی خوشنودی اور دنیا کی اس ناپائیدار مدح کے معاوضہ میں حق تعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رسوائی وذلت خریدنا کس قدر عقل کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں یہاں دنیا میں ہم جس کی رضامندی چاہتے ہیں، اگر حق تعالیٰ چاہے ہم سے ان کو بھی ناراض کردے اور مدح کے بدلے وہی لوگ الٹی ہماری مذمتیں کرنے لگیں، کیونکہ قلوب اور زبانیں تو سب اس کے قبضہ میں ہیں۔ پس چند روزہ موہوم ومحتمل تعریف کو حق تعالیٰ کی رضامندی پر جو کہ اصل سعادت ہے، کیونکر ترجیح ہوسکتی ہے۔

سببِ دوم: خوفِ مذمت کا علاج

اِسی طرح مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ اگر میں عند اللہ پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمت مجھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے، پھر ڈروں تو کیوں ڈروں؟ خصوصاً جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی اس مذمت کے موہوم اندیشہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا کر دیتا ہے، بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے میں نیکو کاروں کی صورت بناتا اور پرہیز گار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آجائے گی کہ مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگیں گی۔ اور اگر اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے طاعت کروں تو جن لوگوں کی مذمت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بن جائیں اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائیگی۔

سببِ سوم: حرص وطمع کا علاج

ریا کا تیسرا سبب حرص وطمع ہے، پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ جس چیز کی طمع ہے اس کا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی کا ہاتھ سے جاتے رہنا یقینی ہے، پھر بھلا کسی نفعِ موہوم کی امید پر خدا کے غصہ کو سر پر لینا کون پسند کرتا ہے؟ چونکہ حق تعالیٰ مقلب القلوب (دلوں کے پلٹنے والے) ہیں اس لئے یاد رکھو کہ ریا کاری سے جس دنیوی مطلب کے لئے عبادت کر رہے ہو وہ بھی نہ حاصل ہو سکے گا، بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے میں ذلت اور رسوائی جدا اٹھاؤ گے، ان کے احسان مند الگ ہو گے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہے گی، اور اگر بے طمع ہو جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل ہو جائے گا اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ

دائمی لذیذ نعمتیں تم کو آخرت میں ملیں گی وہ اس کے علاوہ ہوں گی۔

غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشیں کرلو گے تو ریا کا نام ونشان بھی نہ رہے گا اور حق تعالیٰ اخلاص کی توفیق بخشے گا۔ (تبلیغِ دین: ص ۱۹۸)

سببِ چہارم: چاہتِ شہرت ومقبولیت کا علاج
ریا سے حفاظت اور اخلاص کی تحصیل کے لئے قیمتی باتیں

صاحبو! اوپر کی گفتگو سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ دراصل ریا کار انسان کے پیشِ نظر بنیادی طور پر دنیا کے مفادات اور اپنا جاہ ومقام اور مختصر سی شہرت ومقبولیت اور کچھ متاعِ قلیل مال و دولت کا حصول ہوتا ہے، اس لئے نیچے آنے والی تحریر انشاء اللہ اس مرض کے ازالہ کے لئے بڑی نافع اور مفید ثابت ہو گی۔

اور اس کا اکثر حصہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تبلیغِ دین" اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "روح کی بیماریاں اور ان کا علاج" سے لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا" (القصص: ۸۳) کہ دارِ آخرت کی بھلائیاں انہیں کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہ کر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ وفساد کرنا نہیں چاہتے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بکریوں کے گلے میں دو بھیڑیے آپڑیں اور وہ بھی بھوکے بھیڑیے ہوں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال وجاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کو نقصان پہونچاتی ہے"۔

خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حبِ جاہ بری بلا ہے، ان سے قلب میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت

میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں، پریشان حال، غبار آلودہ کہ نہ لوگ ان کو پاس بٹھانا پسند کرتے ہیں، نہ امراء ان کو اپنی کوٹھی بنگلوں میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں، اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کوئی ان کو لڑکی دینا پسند نہ کرے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور ذلت ومسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں میں ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی خاطر اس کو پورا فرماتا ہے۔

یاد رکھو! جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اس کو مسندِ عزت کی جگہ بیٹھنا اور لوگوں کے آگے آگے چلنا پسند آیا تو بس تباہی آگئی۔ خدا کے بندے اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں، البتہ بلا طلب وبلا خواہش اگر حق تعالیٰ ہی ان کو ظاہر فرمادے تو اب ان کو چھپانا مناسب نہیں رہتا ہے۔

دیکھو! انبیاء کرام علیہم السلام، خلفائے راشدین اور اکثر اولیاء اللہ کی دنیا میں شہرت ہوئی ہے، مگر ان میں سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہیں کی، بلکہ محض حق تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ اس نے جس حال میں بھی رکھا اس پر راضی ہوگئے۔ اس لئے نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حب جاہ، کیونکہ حب جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حبِّ جاہ اور حبِّ مال کا فرق

حب جاہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اس کی خواہش کرے کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائیں، میری تعریف کیا کریں، میری حاجت کے پورا کرنے میں لپکیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں، مال کے ساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفعِ حاجت کا ذریعہ بنے اور جاہ وشہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے، پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں۔

مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہونے کا پہلا سبب

چونکہ حب جاہ سے مال بھی حاصل ہوسکتا ہے اور نہ اس کو کوئی چرا سکتا ہے، نہ لوٹ سکتا ہے اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہیں ہوتا ہے، اور مال میں چوری اور لوٹ کا خطرہ بھی رہتا ہے، اس لئے حب جاہ کا درجہ حب مال سے بڑھا ہوا ہے۔

اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لا محالہ لوگ اس کی تعریف کرتے اور دوسروں کو اس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں، اور جب ان کو اس کی دھن لگتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حب جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے، برخلاف اس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ فقراء بھی حب جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

حبِّ جاہ کا دوسرا سبب

حب جاہ کے بہ کثرت ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل و یکتائے روزگار ہوں کہ بس میں ہی میں ہوں، حالانکہ یہ حقیقتِ الٰہیہ ہے اور خداوند تعالیٰ ہی کو شایاں ہے، کیونکہ یکتائی اسی کی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نورِ قدرت کا پرتو ہے، پس جو انسان حب جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عزاسمہٗ کے ہم پلہ ہو جانے کا خواہش مند اور اس کے ساتھ اس نسبت کو قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ گویا اس کا نفس فرعون کی طرح ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى'' (میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں) پکار رہا ہے۔

حبِّ جاہ کا علاج

انسان ایک دن مرنے والا ہے اور جاہ وشہرت مرنے کے بعد ختم ہوجائے گی، پس اگر یہ ناپائدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ مل بھی گئی تو ہوا کیا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جس میں موت کوئی کمی یا خلل پیدا نہ کر سکے اور وہ معرفتِ الٰہی ہے کہ صاحبِ معرفت شخص دنیا سے انتقال بھی کر جائے تب بھی معرفت کے بے شمار مراتب میں اسے ترقی ہوتی رہتی ہے، لہٰذا اس رعونت اور طلبِ شہرت کا علاج کرو، اور اس کی محبت دل سے نکالو۔

یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے؟ آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ وہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے۔ تعجب ہے کہ زمانہ تو تمہارے ساتھ یہاں تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار، تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دیتا اور تم زمانے کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت چھوڑنے پر راضی ہو گئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق وضعیف لوگوں کی تعظیم وتکریم پر نازاں ہو گئے جن کو نہ کسی کی موت وحیات کا اختیار ہے اور نہ کسی کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اس کی بدولت اس پائدار عزت اور عالمِ ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے ہو جو حق تعالیٰ اور اس کی برگزیدہ وپاک مخلوق یعنی فرشتوں میں تم کو حاصل ہوتی ہے۔

سوال:- کیا تھوڑی بہت جاہ بقدرِ ضرورت حاصل کرنا جائز ہے؟ یا بالکل درست نہیں؟

جواب:- حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت جاہ کی تحصیل جائز ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدرِ ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم وتعدی سے محفوظ ہو سکے اور ظالم حاکموں کی دست بُرد سے بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب

عبادت میں مشغول رہ سکے، لہٰذا اتنی طلبِ جاہ میں مضائقہ نہیں۔

مگر اس کے ساتھ ہی اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ بقدرِ ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریا اور دکھاوا کر کے نہ حاصل کرے، کیونکہ ریا حرام ہے، نیز متقی اور صوفی کی صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو، کیونکہ اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق میں عزت حاصل کرو گے تو خدا کے نزدیک مکار سمجھے جاؤ گے کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہو اور محض صورت بنا کر اس کا اظہار کیا جائے وہ دھوکہ اور مکر کہلاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دھوکہ حرام ہے۔

بہرحال طلبِ جاہ بڑی خطرناک چیز ہے، کیونکہ اس کی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی، پس اگر سچ پوچھو تو دین انہیں لوگوں کا محفوظ ہے جن کا حال اتنا مخفی اور پوشیدہ ہے کہ ان کو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس رتبہ کے ہیں۔

حبِّ جاہ نفس کو کیوں پسند ہے؟

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "اکثر حب جاہ کا سبب اپنی مدح وثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے، کیونکہ انسان کو اپنی تعریف ومدح میں لذت آتی ہے، اور لذت آنے کی تین وجہ ہیں:-

اول:- چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے، اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو، لہٰذا نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنے والا میرے کمال سے واقف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بے وقوف اور جاہل شخص کی تعریف سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند آدمی کی مدح سے ہوتی ہے۔

دوم:- تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سن کر چونکہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مداح کے قلب پر میرا قبضہ اور اثر ہو گیا ہے، لہٰذا نفس کو اس میں مزہ آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے، اور اگر کوئی محتاج یا بھیک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل

خوشی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھی جاتی۔

سوم:- یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے آوازۂ شہرت کے بلند ہونے کا ذریعہ پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ لوگوں کو میری تعریف کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ پھیل کر دنیا بھر میں بہت جلد شہرت کرادے گی، لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجمع میں تعریف ہونے سے جتنی مسرت ہوتی ہے، تنہائی میں مدح ہونے سے اتنی مسرت نہیں ہوتی۔

نافع ملفوظ امام غزالیؒ برائے دفعِ ریا وحصولِ اخلاص

اس بات کالحاظ رکھو کہ جس وقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً اوپر ذکر کی ہوئی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہوجانا میرے لئے ذرہ برابر بھی نافع نہیں ہے، لہٰذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بن جانا بڑی خطرناک حالت ہے، پس جس وقت یہ خیال کروگے تو مسرت کراہت سے بدل جائے گی اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت بھی اسی اخلاص کی طرف لوٹ آئے گی جو کہ مقصود ہے۔

سوال:- اگر ہماری عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے ہم کو دل میں خوشی ہوئی، حالانکہ ہم نے اپنے طور پر خوب عبادت کو چھپایا اور اس اطلاع سے مخلوق سے نفع کی کوئی امید وغیرہ دل میں نہیں ہے، مگر غیر اختیاری طبعی خوشی ہو رہی ہو تو پھر اس کے بارے میں شریعت کیا کہے گی؟

جواب(۱):- اس کا جواب بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تبلیغِ دین'' میں موجود ہے، ارشاد فرمایا کہ ''اگر ان سب مذکورہ کوششوں کے بعد بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے جس کا فکر وخیال فضول ہے، کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو بات اختیاری نہیں ہوتی اس پر مؤاخذہ بھی نہیں ہوا کرتا۔ الغرض تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگوں میں شائع اور مشہور نہ کرتے پھرو''۔ (تبلیغِ دین: ص۱۹۹)

جواب(۲):- احقر راقمِ سطور عرض کرتا ہے کہ اگر خوشی اس لئے ہے کہ چلو بہت اچھا ہوا اب لوگ میرا اعزاز و اکرام کریں گے اور میں اس خبر کے لوگوں میں پھیل جانے کی وجہ سے خوب مشہور و مقبول ہوں گا تو یہ سب منجملہ خواصِ ریا کے ہے، اور اگر یہ سب کچھ مسرت وخوشی اس لئے ہے کہ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے باوجود میرے عیوب سے بھرے ہونے کے لوگوں کو میرے عیوب پر مطلع نہیں کیا ہے، بلکہ اچھائیوں پر مطلع فرمایا ہے، تو اس کی برکت سے لوگ حسنِ ظن کریں گے اور دنیا میں مسلمان بھائیوں کا اپنے کسی مسلمان بھائی کے متعلق اچھا گمان رکھنا یہ ایک مؤمن کے لئے نعمت ہے، تو پھر یہ ریا نہیں ہے۔

ریا کاری سے حفاظت وحصولِ اخلاص کا نسخہ وعلاج
از حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وحضرت تھانوی رحمہما اللہ

اوپر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی باتیں احقر نے تفصیل سے عرض کی ہیں کہ ان کو سامنے رکھنے کی صورت میں انشاء اللہ تعالیٰ ریا کاری کی جڑ کٹ جائے گی، اب یہاں اپنے اکابر میں سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہما اللہ کا ارشاد نقل کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ریا کا ایک طریقۂ علاج ارشاد فرمایا ہے، جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ جس عبادت میں ریا کا شبہ ہو اس کو خوب کثرت سے کرے، پھر نہ کوئی التفات کرے گا نہ خود اس کو ہی کوئی خیال رہے گا، وہ چند روز میں ریا سے عادت اور پھر عادت سے عبادت اور پھر اخلاص بن جائے گی۔

(اصول الوصول: ص ۵۰)

۲۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:- "حبِّ جاہ کو دل سے نکال دے کیونکہ ریا

اسی کا شعبہ ہے اور عبادت چھپ کر کیا کرے ،یعنی جس شخص کے اندر ریا کا مرض ہو تو اس کو چاہئے کہ جو عبادت جماعت کے ساتھ کرنا ضروری نہ ہو وہ پوشیدہ طور پر کیا کرے ،اور جس عبادت کا اظہار کرنا ہی ضروری ہو جیسے نماز باجماعت وغیرہ اس کے لئے ریا اور حب جاہ کا نکالنا ہی ضروری ہے"۔(اصول الوصول:ص ۵۰)

۳۔ راقمِ سطور ریا کے علاج کے لئے توفیقِ الٰہی وفضلِ خداوندی سے عرض کرتا ہے کہ ہمیشہ یوں سوچا کرے کہ جو لوگ میری تعظیم وتکریم کر رہے ہیں اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنے اعمال کے ذریعہ سے ان کی نگاہوں میں معزز اور بڑا بن جاؤں ، کیا یہ ہمیشہ باقی رہیں گے؟ اور کیا یہ عزت وشہرت اور مقام ومرتبہ مجھے ہمیشہ ملا رہے گا؟ ظاہر ہے جواب یہی ہے کہ دونوں چیزیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں ،نہ یہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ میں ہمیشہ رہوں گا اور جب دونوں ہی نہ رہیں گے تو یہ تعظیم وتکریم بھی باقی نہ رہے گی ،تو معلوم ہوا کہ میں جس عزت کو تلاش کر رہا ہوں یہ حقیقی ودائمی عزت نہیں ،بلکہ محض خیالی عزت ہے ،یعنی لوگوں کے خیال میں ہمیں عزت مل جاتی ہے ،وہ ہمارے متعلق عزت کا خیال کرنے لگتے ہیں ،جبکہ حقیقی عزت وہ ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں ،ایسا بندہ زندگی میں بھی باعزت جیتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کی عزت رکھتے ہیں اور عزت وراحت کی ابدی جگہ یعنی جنت اس کو عطا کر دی جاتی ہے ،قیامت تک ایسے اللہ کے نیک بندوں کے نام مخلوق میں بڑی محبت وعظمت سے لئے جاتے رہیں گے۔

لہٰذا اے مردِ مؤمن! ریا کاری کر کے اور اپنی طاعات کے بدلے میں دنیا کی فانی ،عارضی ،غیر یقینی وغیر حقیقی عزتوں کی خاطر اپنی حقیقی ،دائمی ،یقینی ،اصلی خوشیوں اور عزتوں کو ضائع کرنا کوئی سمجھداری کی بات نہیں ہے ،بلکہ بہت بڑی ناعاقبت اندیشی ہے۔

۴۔ چوتھی بات ریا کاری کے علاج سے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ سوچ لینا چاہئے کہ ہوسکتا ہے میں جن کی نگاہوں میں بڑا بننے کی کوشش کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی ایسا کام کرادے کہ میں خود ان کی نگاہوں میں ذلیل ہوجاؤں اور وہی لوگ مجھے ناپسند کرنے لگیں، اس لئے کہ اس کا کوئی اعتماد و بھروسہ نہیں ہے کہ لوگ ایک ہی حال کے اوپر قائم رہیں۔ اگر ہم اس کو سوچا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بھی ہمیں اخلاص ملے گا اور ہم ریا سے محفوظ ہوجائیں گے۔

۵۔ پانچواں ریا سے حفاظت اور حصولِ اخلاص کا بڑا قیمتی و مؤثر اور نہایت جامع علاج صحبتِ اہل اللہ ہے۔ اللہ والوں اور اللہ کے نیک و مخلص بندوں کی صحبت میں رہنا درحقیقت اس کے لئے سب سے زیادہ نافع اور مؤثر اور سارے معالجات اور طریقوں میں سب سے زیادہ زود اثر اور مجرب نسخہ ہے۔ جس طرح کہ مٹھائی مٹھائی والوں سے، گوشت گوشت والوں سے، کپڑا کپڑے والوں سے، سونا چاندی سونے چاندی والوں سے ملتا ہے، بس اسی طرح اخلاص اخلاص والوں سے ملتا ہے اور یہ انسانی فطرت ہے کہ اس پر صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے، اچھی صحبت ہو تو اچھا اثر اور بری صحبت ہو تو برا اثر، بلکہ یہ ایسا اصول ہے کہ جو جانوروں میں بھی بڑا مؤثر ہے۔ بقول مولانا رومیؒ سست رفتار گھوڑے کو چند دن تیز رفتار گھوڑوں کے ساتھ رکھو اور دیکھو کہ وہ کتنی جلدی تیز رفتار ہوجائے گا۔

اسپ یاغی چوں ببیند اسپہا   رو بگرداند گریزد بے عصا

❁❁❁

اخلاص کی ان حکمتوں اور فلسفوں کو توجہ اور استحضار کے ساتھ پڑھنے سے انشاء اللہ چند ہی دنوں میں آپ کو اپنے قلب میں اخلاص کی خوشبو مہکتی ہوئی محسوس ہونے لگے گی۔

تحصیلِ اخلاص کی تدبیریں اور اس کی حکمتیں عقل ونقل کی روشنی میں

تحصیلِ اخلاص میں سب سے طاقتور، زود اثر اور آسان تدبیر مخلصینِ کاملین کی ایک لمبے عرصے صحبت اختیار کرنا ہے۔

تحصیلِ اخلاص کی تدبیریں اور اس کی حکمتیں عقل ونقل کی روشنی میں

تنبیہ:- اس کے بعد اخلاص کی چند حکمتوں کا ذکر کرتا ہوں جن کو سامنے رکھ کر یہ پتہ چلے گا کہ عمل کے لئے اخلاص کا ہونا ہی عین عقلمندی اور سراسر سمجھداری ہے اور یہی عقل ونقل دونوں کا تقاضہ اور پکار ہے اور اس کے برخلاف ریا ونمود اور شہرت وجاہ کے خیالات نادانی وناسمجھی اور حماقت وبیوقوفی ہے اور ان حکمتوں کا اگر ہفتہ دو ہفتہ میں بغور مطالعہ و ملاحظہ کیا جاتا رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ریا کاری کی تمام جڑیں دل کے اندر سے نکل جائیں گی، اور دل اس بیماری سے بالکل شفایاب ہو جائے گا۔

حکمت نمبر(۱)

کیا ایک کو راضی کرنا آسان اور بہت سوں کو راضی کرنا مشکل نہیں؟

صاحبو! غور کرو! کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک کو راضی کرنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت بہت سارے لوگوں کے خوش کرنے کے۔ ظاہر ہے کہ ریا کار اپنی ظاہری عزت وشہرت کی خاطر ہر جگہ اور ہر موقع کے لحاظ سے اس مقام کے لوگوں کو راضی وخوش کرنا چاہتا ہے، کیونکہ ایک سے اسے مال کالالچ ہے، دوسرے سے مثال کے طور پر عہدے کالالچ ہے، تیسرے مجمع میں اپنی عزت ومقام کی خواہش ہے، جبکہ مخلص انسان صرف ایک اکیلے اللہ عزوجل کو راضی کرنے کی فکر کرتا ہے اور اسی کی تدابیر اور طریقے اختیار کرتا ہے۔ باقی کسی کی اس کو پرواہ نہیں ہوتی ہے۔

اور یہ بات عقلی طور پر بڑی سہل ہے، اس لئے کہ چند لوگوں کی رضا وخوشی کی باتیں بھی الگ الگ ہوا کرتی ہیں، ایک کا مزاج کچھ ہے تو دوسرے کا مزاج کچھ اور۔ اب اگر یہ ایک کو راضی کرے تو

دوسرے ناراض۔اور اگر دوسرے کو راضی کرے تو پہلے والے ناراض۔

لہٰذا سمجھداری وعقلمندی یہ ہے کہ بس اللہ عزوجل کی رضا کی فکر کرے اور باقی سے ذہن کو خالی کر ڈالے۔یہ سہل وآسان بھی ہے اور حقیقی نفع کا ضامن بھی۔

پس معلوم ہوا کہ اپنے ہر قول وفعل اور ہر حال وقال میں اخلاص کو اختیار کرنے والا بندہ مؤمن ومخلص ہی درحقیقت عقلمند وسمجھدار ہے۔

حکمت نمبر(۲)

سمجھداری یہ ہے کہ سپریم پاور(Supreme Power) کو راضی کریں

اخلاص کی دوسری حکمت وفلسفہ یہ ہے کہ اس کو راضی کرنا چاہئے جو سپر پاور(Super Power)بلکہ سپریم پاور(Supreme Power)ہو۔جس کے پاس ہر قسم کی طاقت،ہر قسم کی دولت کے خزانے ہوں،ہر چیز پر اس کا کنٹرول اور گرفت مضبوط ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات بدرجۂ اکمل واتم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ سارے بادشاہوں کا بادشاہ اور سارے بڑوں کا بڑا ہے جو ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے،ہماری دنیا وآخرت کی جتنی ضرورتیں ہیں وہ اُن سب کو پورے طور پر ایک آن اور ایک لمحے میں ہمیں عطا کر دینے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔اس لئے دنیاوی وعقلی لحاظ سے بھی اُسی کو خوش کیا جانا چاہئے تا کہ ضرورت پڑنے پر ہمارے کام آسکے۔اور ایسی ذات کہ جو ہر طرح سے کامل ومکمل ہو وہ ایک اکیلے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات ہے۔اُن سے بڑی قدرت وطاقت اور اُن سے زیادہ خزانے کسی کے پاس نہیں ہیں،بلکہ یوں کہئے کہ مخلوق کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے،لہٰذا جب ہم اعمالِ صالحہ کریں تو بس اُسی قادرِ مطلق اللہ کو راضی کرنے کی فکر ہونی چاہئے اور دل کے نہاں خانوں میں صرف یہی بات چھپی رہنی چاہئے کہ میں ایک خالق ومالک سپریم پاور(Supreme Power)اور ساری طاقتوں سے بڑی طاقت رکھنے والے

اللہ کو راضی کروں گا۔ جب بات یہ ہے کہ وہ طاقتوں والے، خزانوں والے، قدرتوں والے، عزتوں والے ہیں تو ان کے راضی کر لینے کے بعد خود بخود دنیا و آخرت کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

حکمت نمبر (۳)

جب سب کے دل ایک کے قبضہ میں ہیں تو اسی کو راضی کیجئے

اخلاص کی منجملہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بہت سوں کو راضی کر لینے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اُن کے دل کسی اور کے قبضے میں ہیں۔ حتیٰ کہ خود ہمارا دل ہمارے قبضے میں نہیں ہے۔ اگر ہم نے اپنی طاعات و عبادات میں ریا و دکھلاوا کر کے لوگوں کو راضی کرلیا یا اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف دنیا کے کچھ رسم و رواج کے کام کر کے مخلوق کو راضی کرلیا، تو سمجھو کہ ہم نے بڑی نادانی و ناسمجھی اور نہایت ناعاقبت اندیشی کا معاملہ کیا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے اور کیا ہی خوب مضمون ہے:۔

كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ أَنِ اكْتُبِي إِلَيَّ بِكِتَابٍ تُوصِينِي فِيهِ، وَلَا تُكْثِرِي عَلَيَّ، فَأَنْسَى، فَكَتَبَتْ: مِنْ عَائِشَةَ إِلَى مُعَاوِيَةَ: سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ، كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ سَخَطَ اللّٰهِ بِرِضَا النَّاسِ، وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ (شرح السنۃ)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھ کر یہ درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی ایسا خط لکھ کر بھیجیں جس میں خاص اہم نصیحت اور وصیت کریں اور زیادہ لمبی چوڑی نہ ہو اور بہت زیادہ نہ ہو کہ میں بھول جاؤں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نصیحت لکھی:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے لوگوں کی طرف سے کافی ہو جاتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس کی عزت ڈال دی جاتی ہے۔

اور جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور ہوتا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ناراض ہو ہی گئے، کچھ دنوں کے بعد مخلوق بھی اُس سے ناراض ہو جاتی ہے، اس طرح کہ اُس کے بُرے بُرے ناپسندیدہ اعمال ان کی نگاہوں کے سامنے کر دیئے جاتے ہیں، اس لئے لوگ بھی اُس کو ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا سمجھداری کا تقاضا یہ ہوا کہ صرف ایک اکیلے اللہ کی رضامندی کی فکر ہونی چاہئے۔

حکمت نمبر (۴)

جو ہر موڑ پر کام آئے اسی ایک کو راضی کیجئے

اِسی طرح یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اُس ذاتِ عالی کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور ہمیشہ سے ہمارے ساتھ تھی، ساتھ ہے اور ساتھ رہے گی۔ جب سے ہم عالمِ ارواح میں پیدا ہوئے، پھر ماں کے پیٹ میں آئے، پھر اس دنیا میں آئے، پھر قبر میں جائیں گے اور پھر عالمِ آخرت ہو گا، حساب کتاب، پل صراط، جنت وجہنم ہر موڑ پر جو ذات ہمارے کام آنے والی ہے وہ ایک اکیلے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات ہے۔ اور یہ جو دنیا والے ہیں ان کی نگاہوں میں عزت پانا یہ خیالی عزت ہے۔ یعنی وہ مرے، ہم مرے، ساری عزتیں خاک میں مل گئیں، کچھ بھی باقی نہ رہا۔ جب ہم دنیا سے جاتے ہیں تو سارے یار و احباب، محبین و متعلقین، ملنے جلنے والے سب یہاں رہ جاتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں جو عزت ہم نے جمائی تھی وہ سب یہیں رہ گئی، کچھ کام نہ آسکی، تو غور کرنا چاہئے کہ اُن کی نگاہوں میں ڈھونڈی ہوئی عزت کو فنا

ہوتے ہم دیکھ رہے ہیں، اور اس سے کوئی حاصل نہیں نکل رہا ہے، اور نہ وہ عزت کرنے والے لوگ ہمارے ساتھ جارہے ہیں۔ اسی لئے قیامت کے دن کہہ دیا جائے گا کہ تم نے جن اغراض ومقاصد کے لئے اعمال کئے تھے وہ دنیا میں تمہیں مل چکے ہیں، یہاں کوئی بدلہ نہیں ہے۔ اس لئے ایک اکیلے اللہ کو راضی کرنا چاہئے۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:-

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے　　یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا　　یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے

اب رہی بحث رنج وراحت کی　　یہ فقط وقت کا گزرنا ہے

قابل ذکر ہی نہیں ہے خورد ونوش　　یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے

مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق

نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

اس لئے بھی ایک حی وقیوم اللہ ہی کو راضی کرنا چاہئے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جب ہمیں قبر میں اور میدانِ محشر میں ضرورت پیش آئے گی، تو جس ایک اللہ کو ہم نے راضی کیا ہو گا وہی ہمارے کام آئے گا۔ دوسرا کوئی کام آنے والا نہیں ہے، باقی سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

حکمت نمبر (۵)

عزت وذلت آسمان سے زمین پر اترتی ہے

ہم سب کا عقیدہ ہے کہ ہماری عزت وذلت اور رزق وروزی، چین وسکون، مصیبت وراحت ، غرض یہ کہ وہ تمام معاملات جن کی ہم کو رات دن، صبح وشام ضرورت پڑتی ہے، یہ سب وہ اُمور ہیں جو آسمان سے زمین کی طرف آتے ہیں، زمین سے آسمان کی طرف نہیں چلتے، یعنی پہلے کوئی بندہ اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کا محبوب ومقبول بنتا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں باعزت قرار دیا جاتا ہے، پھر اُس کی عزت زمین والوں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے زمین والوں میں باعزت ہو پھر اللہ تعالیٰ اُس کی عزت کرنے لگیں۔جیسا کہ حدیث شریف میں بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -ﷺ- «إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ إِنِّي أُحِبُّ فُلاَنًا فَأَحِبَّهُ - قَالَ - فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاَنًا فَأَحِبُّوهُ. فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ - قَالَ - ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الأَرْضِ. وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَيَقُولُ إِنِّي أُبْغِضُ فُلاَنًا فَأَبْغِضْهُ - قَالَ - فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلاَنًا فَأَبْغِضُوهُ - قَالَ - فَيُبْغِضُونَهُ ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الأَرْضِ (صحیح مسلم)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس بندے سے محبت کرو اور پھر یہ حکم ہوتا ہے کہ تمام آسمانوں میں یہ منادی اور اعلان کرادو کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں، اے فرشتو! تم سب اس سے محبت کرنے لگو۔تو تمام آسمانوں کے فرشتے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ہوتے ہوتے زمین والوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔

اور اسی طرح بندے کا ناپسندیدہ ہونا، مبغوض ہونا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہونا، اس کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی بندے سے نفرت فرماتے ہیں، اس کو مبغوض فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ میں اُس بندے کو مبغوض کرتا ہوں تم بھی اُس کو ناپسند کرو۔وہ اُس کو ناپسند کرتے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ تمام آسمان والوں میں منادی اور

اعلان کرادو کہ فلاں بندہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے تو وہ سب اُس کو ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس کی ناپسندیدگی زمین والوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے۔

اگر کسی سے اللہ تعالیٰ راضی ہو تو مخلوق کے دلوں میں اس بندے کی محبت ڈال دی جاتی ہے

اس حدیث شریف میں اخلاص کی یہ حکمت چھپی ہوئی ہے کہ ایک مسلمان کی بنیادی فکر یہ ہونی چاہیئے کہ وہ خلوت وجلوت میں دل کو غیر اللہ سے بالکل خالی کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنے کے کام اس طرح کر رہا ہو کہ دل کے کسی کونے میں مخلوق کا خیال بھی نہ گزرے اور نہ ہی کسی کی نگاہ میں عزت چاہنے کا معمولی سا شائبہ بھی دل کے کسی گوشے و کنارے میں موجود ہو۔ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے چپکے چپکے فریاد کرے، ہر اچھا کام، ہر عبادت، ہر نیک اور دینی عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے کرے اور دل میں یہی رکھے کہ اے اللہ! جب آپ مجھے ہر شے سے زیادہ محبوب ہو جائیں گے اور میں آپ کی نگاہوں میں محبوب بن جاؤں گا تو پھر خود بخود آپ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں میری محبت ڈال دی جائے گی۔

فائدہ:- یہاں پر یہ عرض کر دوں کہ اس نیت سے عبادت نہیں کرنی چاہیئے کہ اس راستے سے لوگوں کے دلوں میں محبوب بنوں، بلکہ دل میں یہی ہو کہ اصل تو میرا بنیادی مقصد یہی ہے کہ میں اللہ کی نگاہ میں محبوب ہو جاؤں، باقی دوسری سب فکریں چھوڑ دے، غیر اللہ سے ذہن کو بالکل ہٹالے۔ لہٰذا اخلاص کی حکمت اس مضمون کی روشنی میں یہ سمجھ میں آئی کہ انسانوں میں بھی صحیح معنوں میں مخلص بندہ ہی مقبول اور محبوب بنتا ہے اور غیر مخلص کو وقتی طور پر اگرچہ ہو سکتا ہے کچھ عزتیں، شہرتیں مل جائیں، مگر لوگوں کے دلوں میں اُس کی کوئی حقیقی محبت پیدا نہیں ہوتی ہے، تو عقلمندی اور سمجھداری کا تقاضا یہی ٹھہرا کہ ہمیں ہر حال میں مخلص ہونا چاہیئے۔

حکمت نمبر (۶)

کتنا ہی چھپ کر عمل کرو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیتے ہیں تو پھر آخر ریا کیوں؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہم کتنا ہی چھپ کر کوئی کام کریں، رات کی تاریکی میں کریں، یا دن کے اُجالے میں، خلوتوں میں کریں، یا جلوتوں میں، کسی ایسی چٹان کے اندر جاکر کریں جس کی نہ کوئی کھڑکی ہو اور نہ کوئی دروازہ ہو، اللہ تعالیٰ پھر بھی اُس کے اثرات کو ظاہر فرمادیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَوْ أَنَّ رَجُلاً عَمِلَ عَمَلاً فِي صَخْرَةٍ لاَ بَابَ لَهَا وَلاَ كُوَّةَ لَخَرَجَ عَمَلُهُ إِلَى النَّاسِ كَائِنًا مَّا كَانَ (مستدرک).

اگر کوئی شخص ایسے پتھر کی چٹان میں گھس کر کوئی نیک یا بُرا کام کر رہا ہو کہ جس کا نہ کوئی دروازہ ہے اور نہ کوئی روشن دان ہے تو وہ نیکی اور برائی اپنے اثرات ولوازمات کے ساتھ لوگوں پر ظاہر ہو کر رہے گی، خواہ کبھی بھی کیسے ہی طریقے سے اور کسی بھی شکل میں ہو لیکن وہ ضرور ظاہر ہو گی چاہے وہ کسی کو بتائے یا نہ بتائے، کتنا ہی چھپ کر اُس نے وہ نیک یا بد عمل کیا ہو۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نیک عمل کرنا یا بُرائی کر کے یہ سوچنا کہ میری لوگوں میں وہی عزت اور وہی قدر و منزلت برقرار رہے گی جو پہلے تھی، یہ نفس وشیطان کی ایک چال اور ایک سازش اور دھوکہ ہے۔

یاد رکھنی چاہئے یہ بات کہ اچھائی کا اثر یہ ہو کر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت ڈالیں گے اور آپ اُن کی نگاہوں میں محبوب ومعزز بنیں گے۔ اور بُرائی کا اثر یہ ہو کر رہے

گا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آپ غیر مقبول اور ذلیل وخوار ہوجائیں گے، بظاہر آپ کو معلوم بھی نہیں ہوگا لیکن شدہ شدہ آپ کی کوئی عزت ووقعت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہے گی۔ البتہ کبھی کبھی بطور استدراج اور ڈھیل کے بعضے فاسق وفاجر بندوں کو بظاہر دنیا میں خوب عزت ملی ہوتی ہے، اور یہ دنیا میں گنہگار کو ڈھیل دیا جانا اللہ تعالیٰ کی سخت سزاؤں میں سے ہے، کیونکہ ایسی صورت میں انسان کو رجوع اور توبہ کا موقع نہیں ملتا ہے اور وہ اپنی طغیانی وسرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔ لہٰذا ہر عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا چاہیئے۔

حکمت نمبر (۷)

جو جس کے لئے محنت وعمل کرے گا ظاہر ہے اسی سے اپنی مزدوری لے گا

ساتویں حکمت عقل کی روشنی میں یہ ہے کہ جو شخص کسی کے لئے کام کر رہا ہو، نوکری کر رہا ہو اور ہر مہینے اُسے مالک کی جانب سے مشاہرہ وتنخواہ ملتی ہو تو اُصول کی بات ہے کہ جس فیکٹری، دکان، کاروبار، بزنس، آفس وغیرہ کا وہ ملازم ہے، جس سے مہینہ پورا ہوتے ہی وہ اپنی تنخواہ لیتا ہے تو اُس کو کام بھی اُسی کا کرنا ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرے کہ تنخواہ کسی سے لے اور کام کسی اور کے لئے کرے تو یہ تو دنیوی ضابطے کے لحاظ سے بھی غلط ہے، لہٰذا اِسی اصول وضابطہ کے مطابق ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ جب ہمیں صرف تنخواہ اور salary ہی نہیں بلکہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ دے رہے ہیں اور کھلا پلا رہے ہیں تو پھر ہمارے سارے کام اور سارے اعمال اور ہر قسم کی سوچ وفکر خالص اُسی ذات کے لئے ہونی چاہیئے نہ کہ کسی اور کے لئے۔ اور میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر ہمیں آخرت میں مزید اَجر بھی دیں گے، تو اسے اللہ کے فضل کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے اس عقلی اصول کی روشنی میں بھی یہ پتہ چلا کہ ہر عمل ہمیں خالص اللہ کے لئے کرنا چاہیئے جس میں کوئی دوسرا شریک وشامل نہ ہو، کیونکہ کل کو بدلہ اسی سے لینا ہے۔

حکمت نمبر (۸)

کیا دوستوں اور خیر خواہوں کے مشورے پر چلنا عقلمندی ہے یا دشمنوں اور بدخواہوں کی رائے پر؟

پوری دنیا کے عقلمندوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر شخص اپنے کاموں کی ترتیب، کاروباری وتجارتی اُمور اور اپنے پورے نظامِ زندگی کے بارے میں، خواہ وہ کسی بھی لائن اور میدان میں ہو، ہر میدانِ حیات کے سلسلے میں اپنے خیر خواہوں، دوستوں اور محبت رکھنے والوں سے مشورہ لیتا ہے اور ان کی رائے کو مانتا بھی ہے، اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ مشورے میرے لئے خیر و بھلائی، فلاح وصلاح اور کامیابی وکامرانی کے ضامن ہیں، اور ظاہر ہے کہ حقیقی محبت اور دوستی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب رائے دی جائے تو خوب غور کر کے اور سوچ سمجھ کر اپنے دوست کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے رائے دی جائے، جبکہ دُشمن کا سلوک اور معاملہ بالکل اس کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی قدم پر اور کسی بھی مرحلے میں اپنی دُشمنی اور بدخواہی نکال سکتا ہے اور وہ اس میں کوئی کمی اور کسر نہیں چھوڑتا۔ یہاں تک کہ وہ ہر لمحہ اس فکر میں رہتا ہے کہ میں کس طرح اپنے دُشمن کو تباہ وبرباد اور ذلیل وخوار کردوں، تاکہ وہ بالکل ناکام ونامراد ہو جائے۔

جب یہ اصول دنیوی معاملات میں تسلیم ہے تو میں اس اصول کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ شیطان ہمارا کھلا ہوا دُشمن ہے اور شروع ہی دن سے اُس نے دُشمنی کا اعلان کر دیا تھا کہ میں اس ابنِ آدم یعنی انسان کو تمام کوششیں کر کے ہلاک وبرباد کروں گا، اوّلاً کفر وشرک کی گندگیوں میں گھسانے کی بھرپور کوشش کروں گا اور پھر معصیتوں اور اللہ کی نافرمانیوں میں غرق کروں گا اور اگر اس نے کسی نیک کام کا ارادہ بھی کیا تو اُسے پوری طاقت لگا کر اُس سے روک ڈالوں گا پھر بھی اگر وہ نہ رکے

تو اُس کے دل میں وساوس اور بُرے گندے خیالات ڈالوں گا اور اگر وہ ہمت کر کے نیک کام کر ہی لے گا تو پھر اُس میں آخری درجے میں ریا و نمود اور جاہ و شہرت کی نیت شامل کر کے اُس کے اس عمل کو نہ صرف ناکارہ و بے کار بنا دوں گا بلکہ اُس کو قیامت کے دن مستحقِ سزا بنا ڈالوں گا کہ وہ قیامت کے دن ان ریا کاری والے اعمال پر سزا بھی پائے اور اس کو عقاب و عذاب اور ذلت و رسوائی کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ تو اس عقلی اصول کی روشنی میں اخلاص کی اس حکمت کو عرض کرتا ہوں کہ کیا عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہم دُشمن کی توڑ کریں، کاٹ کریں اور اُس کی دی ہوئی رائے کے خلاف چلیں تا کہ وہ اپنے ارادوں میں ناکام ہو؟

اب ظاہر ہے کہ اس کی صورت یہی ہے کہ ہم ہر عمل میں مکمل اخلاص پیدا کریں، تا کہ شیطان ناک رگڑ کر دُم دبا کر بھاگ جائے اور ذلیل و خوار اور ناکام و نامراد ہو جائے اور ہم عند اللہ ماجور ہوں اور اجر و ثواب پائیں، اور اگر ایسا نہ ہوا تو بالآخر وہ ہم پر غالب آ کر ہمارے تمام اعمال کو ضائع کر دے گا اور قیامت کے دن حسرت و ناکامی ہو گی۔ اس لئے دُشمن کی بات نہ مانی جائے بلکہ دوست کی بات مانی جائے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی بات ہے اور انبیاء کرام کے بعد وارثین انبیاء یعنی علماءِ ربانیین اور اللہ والوں کی بات ہے، اور ان سب کا ہم کو یہی کہنا ہے کہ ریا کاری سے بچو، ہر عمل کو پورے اخلاص کے ساتھ صرف ایک اللہ کے لئے کرو۔

حکمت نمبر (۹)

جب سب کچھ اللہ نے خرید لیا
تو دل کو بھی مکمل طور پر انہیں کے حوالہ کیجئے

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ“ (التوبۃ:۱۱۱)، اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا اور اس کے بدلے میں ان کو جنت ملے گی۔ تو جب ہماری جان اللہ تعالیٰ نے خرید لی اور انفس جمع ہے نفس کی جس کے معنی ذات کے ہیں اور ذات میں ساری چیزیں آگئیں، سر کے بالوں سے لے کر پیروں کے ناخن تک پوری ذات اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہے، ہر ہر عضو اور بدن کی تمام صلاحیتیں، بدن کا ایک ایک ذرّہ یہاں تک کہ دل کی ایک ایک رَگ یہ سب اللہ نے خرید لی ہے۔

اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا کاروباری وتجارتی ومعاملاتی اصول یہ ہے کہ اگر آپ کسی شخص کو اس کے سامان کی پوری قیمت ادا کر دیں تو وہ چیز پورے طور پر آپ کی ہوجاتی ہے، اب اس شخص کے لئے کسی دوسرے کو اُس چیز کا دینا بالکل جائز نہیں ہوتا، اس لئے اے ایمان والو! ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جب اللہ نے ہم سے یہ سب کچھ خرید لیا ہے تو ہمارا دل بھی اللہ نے خرید لیا ہے اور دل کے اندر کی ساری صلاحیتیں، دماغی قوتیں سب اللہ نے خرید لی ہیں، لہٰذا ہمیں خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو دل دینا چاہئے اور اُسی کے لئے عمل کرنا چاہئے، اس دل کے کسی خانے یا گوشے میں بھی غیر اللہ چھپا ہوا نہ ہو، نہ جاہ کی قبیل سے اور نہ مال ودولت وعزت وشہرت کی قبیل سے، بلکہ ہمیں اپنے عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا چاہئے۔ یہ دنیا کے تاجرانہ اصول کے مطابق اخلاص کی حکمت ہے۔

حکمت نمبر (۱۰)

کون دانشمند ہے جو برسوں کی محنت سے جمع شدہ مال کو جلا کر خاک کر دے؟

دیکھئے! کیا کوئی سمجھدار آدمی ایسا کرے گا کہ وہ بڑی محنتوں اور مشقتوں سے کچھ مال کمائے اور لا کر اُسے گھر میں رکھے، کئی برسوں کی محنت سے حاصل کی ہوئی کمائی ہو اور اس میں خود ہی اپنے ہاتھوں سے چاروں طرف پٹرول چھڑک کر آگ لگا دے اور اس کو بھسم کر دے؟ کوئی عقلمند ایسا

نہیں کرے گا بلکہ جس میں ذرا بھی عقل کا مادہ ہو گا وہ اس کو بے وقوفی ہی کہے گا۔ ہاں اگر کسی کا دماغ ہی نہ ہو، بے وقوف و پاگل ہو، تو وہ ضرور اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ اخلاص کے بغیر غیر اللہ کے لئے کوئی کام کرنا اس کی حقیقت آخر یہی تو ہے کہ زندگی بھر آپ نے نیکیاں کیں، بڑے اچھے اچھے کام کئے، بڑی محنتیں اُٹھائیں اور خون پسینہ ایک کر کے شب و روز محنت و مشقت کے ذریعہ جمع شدہ تمام ذخیرہ یعنی اپنی نیکیوں کو ریا کی آگ سے جلا کر بھسم کر ڈالا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے جس کا خلاصہ و نچوڑ یہ ہے کہ ریا عمل کو کھا جاتی ہے۔ تو جب ریا عمل کو کھا گئی تو اس کا معنی یہی نکلا کہ اپنا جمع کیا ہوا سب کچھ آپ نے جلا کر خاک کر دیا۔

اور یہاں تو صرف جلتا ہی نہیں بلکہ جلنے کے بعد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ پکڑ بھی فرمائیں گے کہ میرے علاوہ کسی اور کی دل میں نیت ہی کیوں کی تھی؟ لہٰذا جب بھی اخلاص دل سے نکلنے لگے تو فوراً سوچ لو کہ کوئی بھی اپنے جمع کئے ہوئے ذخیرے کو جلا کر خاک میں نہیں ملا دیتا۔ اگر ہم مخلص نہیں ہوں گے تو اس کا خلاصہ نکلے گا کہ زندگی بھر کی کی ہوئی محنت اور اعمالِ صالحہ اور اللہ کے راستے کی جد و جہد، تھکنا، محنتیں اُٹھانا، سب آخرت میں جل کر خاک ہو جائیں گی، وہاں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا گیا کہ اتنا ہی نہیں بلکہ سزا بھی ملے گی، جیسا کہ ریا سے متعلق احادیث میں بڑی تفصیل سے یہ مضمون آگے آ رہا ہے۔

حکمت نمبر (۱۱)

مومن کے لئے شرک کا لفظ ہی ریا سے بھاگنے کے واسطے کافی ہے

خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت نہ کرنا اور اپنے جملہ معاملات، اور عبادات و طاعات میں صرف اللہ کی رضا کو سامنے نہ رکھنا بلکہ کسی بھی غیر کو اپنے ذہن میں رکھ کر اُس کے لئے کام کرنا اور اس کی نگاہوں میں عظیم اور بڑا بننے کے تصور سے عمل کرنا یہ گویا ایک طرح کا شرک ہے، جب کہ اس

کو حدیث شریف میں ''شرکِ اصغر'' اور ''شرکِ خفی'' کہا گیا ہے۔مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ جس طرح وہ شرکِ جلی سے بچ رہا ہے اسی طرح شرکِ خفی سے بھی بچے۔ بڑے شرک سے بچ رہا ہے تو چھوٹے شرک سے بھی بچے، یعنی اس کے اوپر لفظ ''شرک'' کا اطلاق ہو جانا ہی ہمارے حد سے زیادہ ڈرنے کے لئے کافی ہے۔

تو اس حکمت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان اور شرک، مومن اور مشرک، دونوں میں تضاد ہے۔ایمان والے کو ایمان کا تقاضا پورا کرنا چاہئے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ شرک اور شرک کی تمام برانچوں اور شاخوں سے بچتا چلا جاوے۔ لہٰذا جب اخلاص کے منافی کام کرنا شرک قرار دیا گیا ہے تو ایمان والے کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ وہ اس سے بہت شدت کے ساتھ بچے اور پرہیز کرے، ورنہ تو مطلب یہ ہو گا کہ گویا وہ عزت و ذلت، مال و دولت، رزق و روزی وغیرہ چیزوں کے دینے میں جس طرح اللہ کو مختار سمجھتا ہے اسی طرح اُن لوگوں کو بھی اپنے ذہن میں یہ سب کچھ دینے والا سمجھ رہا ہے جن کو دکھلانے اور جن کی نگاہوں میں بڑا اور معزز بننے کے لئے یہ کام کر رہا ہے، لہٰذا درحقیقت یہ ریاکاری والی سوچ بھی ایک مومن کے ایمان کے منافی اور ایک طرح کا شرک ہے۔

حکمت نمبر (۱۲)

غیر مخلص ہونا اقرارِ ربوبیت کے منافی ہے

غیر مخلص ہونا اقرارِ ربوبیت کے منافی ہے اور وہ اس طرح کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کو ربّ اور پالنے والا مان لیا اور ہم نے یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کر لیا کہ وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہے، اُسی نے ''عہد الست'' میں ہم سب کی ارواح کو پیدا کیا اور پھر اسی نے دنیا میں بھیجا، ماں کے پیٹ میں اُسی نے شکل و صورت بنائی ، اور کھانے پینے، سردی گرمی سے بچنے، نقصان اور مضرت کی چیزوں سے حفاظت اور منافع و مصالح کے حصول کا، درجہ بدرجہ جیسے جیسے ضرورت ہوتی ہے وہی ہمارے لئے

انتظام کرتا ہے، تو اس کو ربّ ماننے کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ ہم خالص اُسی کے لئے سب کچھ کریں، کیونکہ ہمیں پالنے اور عزت و ذلت، راحت و مصیبت اور نفع و نقصان کے پہنچانے میں وہ بالکل اکیلا و تنِ تنہا قادرِ مطلق ہے، اس کی حکومت و سلطنت میں نہ کوئی اس کا وزیر و مصاحب ہے، نہ کوئی مشیر و منسٹر ہے، نہ مخلوق میں سے کوئی اور اس کا شریک و ساجھی ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہئے اور اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اخلاص کے منافی عمل بعض وجوہ سے گویا کہ اللہ تعالیٰ کو ربّ ماننے کے منافی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ گویا ہم دوسروں کو بھی ربّ مان رہے ہیں اور ذہن میں رکھے ہوئے ہیں کہ اُن سے بھی ہماری ضرورتیں پوری ہوں گی اور ہمیں عزتیں ملیں گی، رزق ملے گا، دولت ملے گی، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس حکمت میں غور کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد حب جاہ و ریا کاری کے مرض سے نجات مل جائے گی۔

حکمت نمبر (۱۳)

ایسا کون عقلمند ہوگا کہ صبح سے شام تک کسی کے لئے کام کرے اور پھر سزا پائے

دنیا میں کوئی عقلمند آدمی ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو صبح سے شام تک مزدوری کرے، اور بڑی محنت و مشقت کے ساتھ، کسی کے لئے کام کرنے کے باوجود وہ دن کے آخر میں سزا کا مستحق قرار پائے۔ اگر کوئی ملازم اس طرح کی کوئی نامناسب حرکت یا کوئی ایسا جرم کر رہا ہو جو مالک کی منشاء کے خلاف ہے تو اُس کی دن بھر کی تمام محنتوں اور مشقتوں کا نہ صرف یہ کہ کوئی اجر نہیں ملے گا، بلکہ شام کے وقت اُسے مالک کی طرف سے سزا بھی دی جائے گی۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اخلاص کے فقدان کی بھی گویا یہی حقیقت ہے کہ زندگی بھر ہم نے ہر طرح کی مشقتیں اٹھائیں، بڑی بڑی عبادتوں و

ریاضتوں اور اعمال وطاعات میں لگے رہے، رات بھر نفلیں پڑھیں، بیانات، علمی مشاغل اور تصنیف وتالیف کی مشقتیں جھلیں، لیکن اس ریا کی خرابی کے لگ جانے کی وجہ سے ہمارے مالک ومولیٰ اور پالنے والے ربِّ کریم کی منشاء کے خلاف ہوگیا، جس کے نتیجے میں زندگی بھر کی اس محنت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کے بعد جزا کے بجائے سزا ملے گی۔

اس لئے احقر عرض کرتا ہے کہ دانشمندی، عقلمندی، سمجھداری، عقل سلیم اور فہم صحیح کے تقاضوں کے بالکل منافی ہے کہ ہم کسی بھی عمل وعبادت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور کی کچھ بھی نیت کرلیں، کیونکہ اس کا حاصل یہی تو ہوا کہ محنتیں اور مشقتیں اُٹھاؤ اور سزا پاؤ، لہٰذا ہم سے ایسی کوئی حرکت نہ ہونی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے منافی ہو۔ اور غیر اللہ کے لئے کوئی عمل کرنا مرضیٔ خداوندی کے منافی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم ہر عمل میں مکمل اخلاص پیدا کریں۔

حکمت نمبر (۱۴)

سفر میں چلتے ہوئے زادِ راہ گھر چھوڑ آنے کا انجام ندامت وپشیمانی ہے

ایک ایسا شخص جس نے سفر میں چلنے سے قبل اپنے لئے خوب اچھا کھانا تیار کیا اور اس کے لئے بڑا اہتمام کیا اور بڑی عمدہ عمدہ قسم کی چیزیں بنائیں اور اس میں بڑی محنتیں اُٹھائیں، بہت پیسہ وغیرہ بھی خرچ کیا، مگر جب سفر میں چلنے لگا تو چلتے ہوئے وہیں گھر پر ہی سب کچھ بھول گیا اور جب راستہ میں کسی مقام پر ٹھہرا اور وہاں اسے کھانے پینے کی ضرورت پڑی تو اب اس کو پتہ چلا کہ اس کے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ہے، سارا کچھ وہیں پر ہی رہ گیا ہے۔ تو اندازہ لگائیں کہ اس کی ندامت وپشیمانی کا کیا عالم ہوگا؟

ٹھیک یہی مثال اس شخص کی ہے جس کے پاس اخلاص نہ ہو، کیونکہ جو لوگوں کی خاطر ریا اور دکھلاوے کے لئے اعمال کئے گئے ہیں سب یہیں رہ جائیں گے اور زادِ راہِ آخرت نہ بنیں گے، لہٰذا

جب وہ وہاں پہونچے گا تو چاہے شہادت ہو، سخاوت ہو، بڑی علمی تحقیقات اور تصنیفات و تالیفات ہوں، اللہ تعالیٰ سب کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں گے کہ جن کے لئے تم نے کیا تھا، اُن سے تم نے اجر لے لیا یعنی اپنا نام کروالیا، ان کی نگاہوں میں دنیا میں بڑے کہلوالئے۔ یہاں اُس کا کوئی اجر نہیں ہے۔ تو بتایئے! ایک سمجھدار آدمی اس طرح کی حرکت کرنے کے لئے کیسے تیار ہوسکتا ہے؟ اس لئے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُسے منزل پر پہنچ کر راحت و آرام نصیب ہو تو اسے چاہئے کہ جتنی چیزیں سفر کے لئے تیار کی ہیں جیسے بھوک دور کرنے کے لئے کھانا وغیرہ اور راستہ کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے بچنے کے لئے دیگر ضروری سامانِ سفر، تو اس کو پیچھے چھوڑ کر نہ آئے، خوب سمجھ لو کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے سب کئے ہوئے نیک اعمال پیچھے رہ جائیں گے، اس لئے زندگی کے اس بدیہی اصول کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ہمیں مخلص ہونا چاہئے تاکہ دنیا میں کئے ہوئے تمام اعمال ہمیں وہاں کام آئیں۔ جہاں حقیقت میں ہمیں اعمال کی سخت ضرورت ہوگی۔

حکمت نمبر (۱۵)

تھوڑی محنت و مزدوری پر زیادہ اجرت، کیا ہی خوب نفع بخش معاملہ ہے!!

ظاہر ہے کہ ہر عقلِ سلیم رکھنے والا اس بات پر نہ صرف تیار ہوگا بلکہ خوش ہوگا کہ اگر اُس کو کوئی آدمی آکر یہ کہہ دے کہ بھائی! تم میرے یہاں آؤ، تھوڑی دیر کے لئے کام کرلو اور میں تم کو کثیر اُجرت دے دوں گا، یعنی جو لوگ صبح سے شام تک بہت بہت کام کر رہے ہیں جیسی اجرت ان کو ملے گی ویسی ہی اجرت بلکہ اس سے بھی زیادہ تمہیں دوں گا یعنی قلیل محنت پر کثیر اجرت دوں گا، تو ظاہر ہے وہ شخص بخوشی اس معاملہ کو قبول کرے گا، ٹھیک اسی طرح اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مخلص آدمی کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ تھوڑی محنت اور قلیل عبادت پر کثیر اجر کا وعدہ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:-

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَخْلِصِ الْعَمَلَ يُجْزِكَ مِنْهُ الْقَلِيْلُ (احیاء علوم الدین)

کہ اے معاذ! عمل کو خالص کر لے تو تھوڑا ہی عمل کافی ہوجائے گا۔ یعنی جو بڑے بڑے مجاہدے اور خوب محنتیں اور مشقتیں کر کے انسان حاصل کرنا چاہتا ہے، اخلاص کی بنیاد پر وہ مراد و تمنا تھوڑی سی محنت و مشقت سے حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ تو جس طرح دنیوی معاملات اور کاموں میں کسی شخص کو تھوڑا سا کام کر کے زیادہ منافع حاصل ہو رہے ہوں اور بالفاظِ دیگر مقصود آسانی سے حاصل ہو رہا ہو تو وہ کیونکر خواہ مخواہ اِدھر اُدھر سر پھوڑے گا اور زیادہ محنت و مشقت اُٹھائے گا، بلکہ وہ کوشش کرے گا کہ عمدگی کے ساتھ اچھے انداز سے بیٹھ کر اُس کام کو کرلوں جس میں اجر بھی زیادہ ہے اور محنت بھی کم ہے۔

اسی طرح جب عمل میں اخلاص ہوتا ہے تو جتنا زیادہ اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے استحضار کی نیت سے عمل کو کیا جاتا ہے، اتنا ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ تھوڑے سے عمل پر جزائے کثیر عطا فرما دیتے ہیں اور راضی ہوجاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے مومن کے لئے سب سے بڑی بات یہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے راضی ہوجائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہمارا اصل مقصود ہے۔

حکمت نمبر (۱۶)

اہلِ دنیا سے بھی خالص دوستی ہی معتبر ہے تو بارگاہ الٰہی میں خالص کیوں نہیں؟

منجملہ اخلاص کی حکمتوں کے ایک حکمت یہ عرض کرتا ہوں کہ جو آدمی آپ کے ساتھ بے غرض ہو کر دوستی کرتا ہو اور اُس کے سامنے اپنے دنیوی مفادات اور مالی وجاہی اغراض نہ ہوں، اور وہ اپنی دولت، پیسہ سب آپ پر خرچ کر رہا ہو اور آپ کو کھلا پلا رہا ہو اور آپ کے کام بنا رہا ہو تو ظاہر ہے کہ جس شخص میں ذرا بھی آدمیت وغیرت ہوگی وہ اس پر فدا ہوجائے گا۔ اور اس کے ساتھ ایسا گہرا ربط اور تعلق

رکھے گا جس کو والہانہ تعلق کہتے ہیں اور جسے جگری دوستی بھی کہتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی مفاد کے بغیر کسی آدمی کے لئے کچھ کرتا ہے تو اس شخص کا مقام و مرتبہ اس کے دل کے اندر بالکل الگ ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، اُسی نے ہم کو عزت دی، اسی نے ہم کو دین دیا، اسی نے ہم کو مسلمان بنایا، غرض یہ کہ بہت سی بے شمار نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں، اگر ہم تصور کرنے چلیں تو سوچ بھی نہیں سکتے، بھلا بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے کیا غرض وابستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کو ہم سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، اسی میں مزید ایک اضافہ یہ کر لیجئے کہ بغیر اجرت اور بغیر ہم سے کچھ بدلہ لئے ہوئے مفت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو نوازتے ہیں اور سب کچھ عطا فرماتے ہیں، تو جو ہستی ایسی ہو جو مفت میں، فری میں، بے غرض ہو کر ہمارے اوپر بیشمار انعامات کی بارش برسا رہی ہو اس کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف دل کا میلان ہونا، کسی اور کو راضی کرنے کی فکر کرنا جبکہ ہماری اس حرکت سے وہ ہستی ہم سے ناراض ہو جاتی ہو، یہ آدمی کی شرافتِ آدمیت کے اور مومن کے ایمان کے منافی ہے، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بے غرض ہونا اور اللہ تعالیٰ کا بغیر کسی اُجرت وقیمت کے مفت میں نعمتیں عطا فرمانا، یہ ہمیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہم بھی خالص اُس ایک اکیلے اللہ کو راضی کرنے والے بن جائیں۔ جب خالص اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو گی تو اسی کو اخلاص کہتے ہیں اور یہی ہر عمل میں ہم سے مطلوب ہے۔ لہٰذا اس حکمت کا بھی تقاضا یہ ہے کہ ہم کو مخلص ہونا چاہئے۔

حکمت نمبر (۱۷)

سوائے مخلص کے کوئی عقلمند کہلانے کے لائق نہیں

اخلاص کی ایک اور بڑی واضح حکمت یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں لوگوں کے نزدیک عقلمند اور دانشور شمار ہوں اور لوگ مجھے بہت سمجھدار سمجھیں اور اچھے لوگوں میں میرا شمار کریں جبکہ بے وقوف، پاگل، دیوانہ یا احمق جیسے القاب کو کوئی بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مثال کے طور پر جو شخص کراچی سے لاہور جارہا ہو اور اس نے اپنا سارا سرمایہ، سارے پیسے وغیرہ جو کچھ بھی اُس کے پاس کراچی میں تھا، اس نے وہ سب کچھ راستے میں جاتے ہوئے ٹرین وغیرہ میں ختم کر دیا ہو، اب وہ خالی ہاتھ لاہور پہنچا اور چاروں طرف دیکھ رہا ہے کہ کہاں جاؤں؟ کیسے جاؤں؟ کچھ ہاتھ میں ہے ہی نہیں، ہر طرف سے پریشانی اُسے گھیرے ہوئے ہے اور وہ انتہائی اُلجھن میں ہے۔ تو کیا اسے کوئی عقلمندی و سمجھداری کہے گا؟ بس یوں سمجھ لو کہ بعینہٖ یہی معاملہ غیر مخلص انسان کا ہے۔ غیر مخلص انسان جب دنیا میں لوگوں کو دکھانے کے لئے سب کچھ کر کے گیا تو جب وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچتا ہے تو خالی ہاتھ پہنچتا ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ بے وقوف شخص جو راستے ہی میں سب کچھ ختم کر گیا نامراد، ناکام اور پریشان ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح اس کو بھی پریشانی کا سامنا ہوگا۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو عقلمند قرار دیا ہے جو آخرت اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے سوچ کر کام کرتے ہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے وہاں کے لئے ذخیرہ کرتے ہیں اور وہاں کے لئے پہلے ہی سے بہت کچھ اعمال وطاعات کا ذخیرہ بھیج دیتے ہیں۔ لہٰذا اس اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں ایسے اعمال کرنے چاہیئے جو خالص آخرت کے لئے ہوں جن کو ہم اپنے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں لے جائیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کو دیکھ کر ہم پر فضل فرمادیں اور وہ ہماری نجات کا ذریعہ بن جائیں۔ جب ایسا ہوگا تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے **اُولُوا الْاَلْبَابْ** اور بزبانِ نبوت و رسالت عقلمند قرار پائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ، مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (ترمذی ج ۲ ص ۷۲، ابواب صفۃ القیامۃ)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں کرلے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے اعمال کرے اور بے وقوف وہ شخص ہے جو

اپنے آپ کو اپنی خواہشات کے پیچھے لگا دے اور پھر اللہ پر امیدیں باندھ کر بیٹھا رہے، ٹھیک اُس شخص کی طرح کہ جس نے شادی تو نہیں کی اور اولاد کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے، یا اُس شخص کی مانند کہ جس نے کاشت تو نہیں کی اور نہ زمین میں دانہ وغلہ اور بیج ڈالا ہو اور پھر اچھی کھیتی اور پھلوں کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہو۔

تو ظاہر ہے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والا چونکہ اس کا اجر آخرت میں پائے گا اس لئے مابعد الموت کے لئے عمل کرنے والا اسی کو کہا جائے گا کہ جو مخلص ہو اور جو انسانوں کو دکھلانے کے لئے نیک عمل کر رہا ہے، وہ اپنے نفس کی خواہشات کی اتباع کرنے والا اور آخرت میں محروم رہ جانے والا ہے۔ اس لئے اس کو عقلمند کہے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حکمت نمبر (۱۸)

دنیا کی زندگی ہمارے لئے آخرت کی کھیتی ہے

اخلاص کی اس حکمت کو آپ اس مثال سے سمجھئے کہ جیسے کوئی کاشت کار اپنی زمین جوت رہا ہے، اُس میں دانہ وغیرہ بھی ڈال رہا ہے، پانی بھی دیتا ہے اور ساری محنت وغیرہ کر رہا ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد سیلاب یا کوئی اور آسمانی آفت آتی ہے اور اُس کی ساری کی کرائی محنت ضائع ہو جاتی ہے، تو ظاہر ہے کہ اُسے بڑا دُکھ، افسوس اور صدمہ ہو گا کہ میں نے اتنی محنت کے ساتھ یہ سب کچھ کیا اور اب وقت قریب آیا تھا جب پھل کاٹتا اور منافع اُٹھاتا تو سیلاب نے آکر سب کو تباہ کر دیا۔

اِسی طرح غور کیجئے تو یہ دنیا کی زندگی بھی ہمارے لئے آخرت کی کھیتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اس میں جو کچھ بو رہے ہیں اور جو پودے لگا رہے ہیں وہ پھلدار اور پھولدار ہو کر ہمیں آخرت میں نفع بخش بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ یاد رکھنی چاہئے یہ بات کہ یہ ریا کاری اور دکھلاوا ایسی ہی آفت ہے جو ہمارے نیک اعمال کی ساری کھیتی کو برباد کر دے گی، لہٰذا یہ بدیہی اصول ہم سے اس بات کا

تقاضا کرتا ہے کہ ہم ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کریں، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو سمجھو کہ ہماری ساری کھیتی سیلاب یا اور کسی آسمانی آفت کی زد میں آ کر تباہ و برباد ہو گئی، اور اب سوائے رنج و غم اور تکلیف و پریشانی کے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا، اس لئے جب دنیا کو آخرت کی کھیتی فرمایا گیا تو ہم کو چاہئے کہ اس طرح باغ لگائیں اور اس انداز سے اس کی نگہداشت رکھیں کہ جب موسم میں ضرورت پیش آئے تو ہم پھل کاٹ سکیں۔

اور ہماری آخرت کی کھیتی دنیا میں اخلاص کے ساتھ کئے ہوئے اعمال ہی تو ہیں، اس لئے ہم اس طرح اعمال کریں کہ جب قیامت کے دن ضرورت پیش آئے تو یہ اعمال ہماری نجات کا ذریعہ ہوں اور وہ جب ہی ہو گا جبکہ مکمل اخلاص کے ساتھ اعمال کئے جائیں، لہٰذا اس کا بھی تقاضا یہ ہے کہ ہم کو مکمل طور پر اپنے اعمال میں اخلاص اختیار کرنا چاہئے۔

حکمت نمبر (۱۹)

والدین کو خوش رکھنا ہر سلیم الطبع آدمی کا شیوہ ہے تو رب حقیقی کو کیوں نہیں؟

دیکھئے! ہر شخص کو اپنے والدین سے فطری محبت ہوتی ہے اور وہ ان کو راضی اور خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ یعنی جو بھی سلیم الطبع انسان ہوتا ہے اُس کا یہ مزاج ہونا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین نے اُس کو بچپن سے پالا، اس کی تربیت کی، اس کی ضرورت و حاجت پوری کرتے رہے، ہر قسم کی نقصان دِہ چیزوں سے بچاتے ہوئے اُس کی راحت و آرام کا بڑا خیال کر کے اُس کو انہوں نے پالا ہے تو اس لئے ہر سلیم الطبع آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین کو راضی اور خوش رکھے۔

اسی طرح میں عرض کرتا ہوں کہ والدین تو مجازی ربّ ہیں، لیکن حقیقی ربّ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ

کی ذات ہے، والدین تو ہماری تربیت وپرورش کے لئے صرف واسطہ اور ذریعہ ہیں، جب والدین کو اس بنیاد پر خوش کرنا اور راضی رکھنا، اُن کی چاہت اور تمنا کے مطابق خدمات انجام دینا، ہر سلیم الطبع آدمی اپنے لئے ضروری اور اس کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے تو جو اللہ ہم کو شروع سے اخیر تک نہ صرف پال رہا ہے بلکہ ماں کے پیٹ میں ہماری شکل بھی اُسی اللہ نے بنائی، عدم سے وجود بھی اللہ ہی نے دیا، اور جو کچھ ہمیں ملا ہے وہ سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی دَین ہے تو اس اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کی کتنی فکر ہونی چاہئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمادی کہ میں راضی اور خوش اُسی صورت میں ہوتا ہوں جبکہ بندہ خالص میرے لئے اعمال کرنے والا ہو۔ اخلاص کے ساتھ مجھے راضی کرنے کے لئے میری عبادت کرتا ہو۔ اگر وہ میری عبادت وطاعت میں کسی کو شریک کرلیتا ہے تو پھر میں ناراض ہوجاتا ہوں، لہٰذا اس دینی و دنیوی اور عقلی و ایمانی اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے خالص ومخلص ہوجائیں اور مکمل اخلاص کے ساتھ اُس کو راضی کرنے کے لئے اپنے اعمال اور عبادات وطاعات انجام دیں، اس میں کسی دوسرے کو بالکل شامل نہ کریں اور جو چیزیں اس کی رضا کے راستہ میں رکاوٹ ہوں، ان کی بالکل پرواہ نہ کریں، اور ان کو فوری طور پر ترک کردیں۔

حکمت نمبر (۲۰)

پاک اور صاف ستھری چیزوں میں ناپاک اور گندی چیزوں کو ملانا کسی طرح درست نہیں

اس حکمت کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلص اور غیر مخلص کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی خالص، عمدہ، شاندار، صاف شفاف چیز ہے، اس میں کسی شخص نے کوئی ناپاک، گندی، خراب چیز شامل کردی تو ظاہر ہے پھر اُس خالص وعمدہ چیز کی بھی کسی کی نگاہ میں کوئی قیمت وحیثیت نہیں رہتی۔ اگرچہ وہ Mix یعنی

ملانے سے پہلے بہت عمدہ اور اچھی شمار ہوتی تھی اور اس کی قیمت بھی بازار میں بہت اعلیٰ تھی۔ٹھیک اسی طرح سے جو شخص مخلص ہو اور صرف اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کے لئے اعمال کر رہا ہو،اگر وہ ایسے اعمال اور طاعات و عبادات کرے گا کہ جن میں اخلاص موجود نہ ہو تو گویا کہ یوں سمجھیں کہ اس نے مخلوق کی رضا جوئی کو اپنے عمل کے مقصود میں شامل کر کے ایسا کیا کہ جیسے کسی خالص اور عمدہ چیز کے ساتھ گندی چیز کو شامل کر لینا،لہٰذا ہماری سمجھداری، عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے جو اعمال کئے جائیں وہ بالکل خالص ہوں،اُس میں مخلوق کی رضا کا شمول نہ ہو،ورنہ تو پھر یہ ایسا ہو گا جیسے گویا پاک چیز کے اندر ناپاک چیز کو ملا دیا جائے اور یہ چیز دنیوی اصول اور ضابطے کے لحاظ سے بھی کسی کو پسند نہیں ہے۔

حکمت نمبر (۲۱)

صدرِ مملکت کا دیا ہوا عہدہ اس کی مرضی کے مطابق استعمال کیجئے

اخلاص کی منجملہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہے جو ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ہم خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کریں،حاصل اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہر مسلمان اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ ہم جو بھی نیک عمل کرتے ہیں اُس کی توفیق ہمیں اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ ہمت اور توفیق عطا نہ فرمائیں تو ہم سے کوئی عبادت بھی انجام نہیں دی جاسکتی۔جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی دی ہوئی توفیق سے ہم نے اس کام کو انجام دیا ہے تو اس کے دیئے ہوئے اعضاء اور بدنی قوت اور اس عبادت کے لئے اسباب و وسائل کی فراہمی (جو کہ توفیق کہلاتی ہے) کے عطاء الٰہی ہونے کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ ہمیں سب کچھ خالص اللہ ہی کے لئے کرنا چاہئے۔کسی دوسرے کی رضا جوئی کے لئے نہیں کرنا چاہئے،ایسا کرنا دنیوی اصول کے مطابق بھی درست نہیں ہے۔مثلاً آپ کو کسی صدرِ مملکت نے کوئی عہدہ یا منصب دیا ہو،ظاہر ہے اس عہدہ یا منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ کے لئے کسی بھی طرح

جائز نہیں ہے کہ آپ خود اُس صدرِ مملکت کی مخالفت کرنے لگیں اور دوسروں کے مفادات، اُن کی رضا اور خوشنودی اور اُن کی منشاء کو سامنے رکھ کر آپ اپنے اس منصب کو استعمال کرنے لگیں۔ اور اس صدر مملکت کو راضی وخوش رکھنے کی پرواہ نہ کریں، ایسا کرنا خود اہلِ دنیا کی نظر میں بھی غلط سمجھا جاتا ہے، لہٰذا جس طرح اس عہدے کی وجہ سے آپ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس میں اُس کے دُشمن، مخالف اور غیر کی رضا کو شامل کرلیا جائے اور اُس محسن سے صَرفِ نظر کرلیا جائے تو ٹھیک اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق اور ہمت دی ہے اور تمام اعمالِ طاعات وعبادات کی طاقت و قدرت اسی نے دی ہے تو ہمیں اپنی ان صلاحیتوں کو بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا چاہیئے اور اسی کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیئے، اس میں ہمیں مخلوق کی رضا کی بالکل پرواہ نہیں کرنی چاہیئے جس طرح وہ شخص اپنے محسن صدرِ مملکت کے حکم کی بجا آوری میں دوسرے کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ صدرِ مملکت کا دیا ہوا عہدہ ہے، ورنہ بصورتِ دیگر وہ اس عہدہ کو اس سے چھین بھی سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح سے یہاں معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی اس صلاحیت کو چھین بھی سکتے ہیں اور اگر دوسروں کے مفادات واغراض کو سامنے رکھ کر ہم نے اعمال کئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر سزا بھی دی جائے گی۔

حکمت نمبر (۲۲)

معمولی حسن وجمال والی عورت کی غیرت شرکت کو گوارا نہیں کرتی تو پھر غور کیجئے!

اخلاص کی یہ حکمت بھی اپنی جگہ پر بہت ہی اہم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دیکھئے! ایک عورت جس میں جمال وخوبصورتی ہو وہ اپنے شوہر کی طرف سے اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتی کہ اُس کے شوہر کے دل میں کسی دوسری عورت کا خیال بھی آئے۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے

ایک عورت آئی تھی اور اُس نے یوں کہا تھا کہ میں بڑی خوبصورت عورت ہوں، اگر اجازت ہوتی تو میں نقاب اُٹھا کر آپ کو دکھا بھی دیتی پھر بھی میرا شوہر کسی دوسری عورت سے شادی کا خیال دل میں لا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہو گئے۔ اور پھر ہوش میں آنے پر فرمایا آہ! اس عورت کو اپنے حسن پر اتنا ناز ہے تو ہمارا اللہ تو سب سے بڑھ کر جمال والا ہے۔ پھر بھلا اُس کے ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے کی طرف کیسے خیال کریں؟ بس یہی دل میں سوچ کر حضرت پر بیہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اِسی لئے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ يَقُولُ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ، هُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ (الآداب للبيهقي)

یعنی جتنے دنیا میں شرکاء ہیں اُن میں سب سے زیادہ میں شرک سے بے نیاز ہوں۔ جب کوئی میری عبادت میں کسی کو شریک کرتا ہے تو پھر میں اُس کو اُسی کی طرف پھیر دیتا ہوں اور میں اُس سے بے نیاز ہو جاتا ہوں کہ مجھے اس میں سے کسی حصے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم نے اس میں جس کو شریک کیا ہے اسی کو دیدو، یہ اسی کے لئے ہے، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی غیرت و جمال کا تقاضا ہے کہ ہم اُس کی عبادت وطاعت میں اور جو بھی نیک کام ہو اُس کو انجام دینے میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیشِ نظر رکھیں۔ دوسری کسی بھی چیز کی طرف ذرّہ برابر بھی التفات اور توجہ نہ ہو، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی خوشنودی ہی پیشِ نظر ہونی چاہئے۔

حکمت نمبر (۲۳)

جس کا گھر ہو اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس میں داخلہ دینا جرم ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حکمت دل میں یہ ڈالی ہے کہ دل ایک ہے، چند نہیں ہیں اور اس

ایک دل کو اللہ نے اپنا گھر قرار دیا ہے کہ میرا گھر ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِي الْأَرْضِ أَوَانِيَ أَلَا وَهِيَ الْقُلُوْبُ فَأَحَبُّهَا إِلَى اللّٰهِ أَرَقُّهَا وَأَصْفَاهَا وَأَصْلَبُهَا، أَرَقُّهَا لِلْإِخْوَانِ، وَأَصْفَاهَا مِنَ الذُّنُوْبِ، وَأَصْلَبُهَا فِي الدِّيْنِ. (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال)

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس زمین میں کچھ برتن ہیں اور وہ دل ہیں۔ان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ایسے دل ہیں کہ جو مسلمان بھائیوں کے لئے نرم ہوں اور گناہوں سے پاک وصاف اور مزکّٰی و مجلّٰی ہوں اور حق بات اور دین پر مضبوطی سے جمنے والے ہوں تو جب یہ دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے تو اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں اُس کی اجازت کے بغیر جانا چاہے تو اُس کو وہاں سے نکال کر باہر کر دیا جاتا ہے اور اگر نہ نکلے تو پھر زبردستی نکالا جاتا ہے اور ظاہر ہے کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا یہ قانوناً صحیح نہیں سمجھا جاتا بلکہ غلط اور ناجائز سمجھا جاتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے دل کو اپنا گھر بنایا تو دل کے ہر ہر گوشے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہونے چاہئے یا جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے جیسے ماں باپ اور بچوں کی محبت، اور دوسری ایسی محبتیں جو باہمی ایک دوسرے سے دین کے لئے ہوتی ہیں، اللہ والوں کی محبت وغیرہ، کیونکہ ان سب کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے، ورنہ دل کے ہر گوشے میں خالص اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہونی چاہئے۔جب دل کے ہر گوشے میں خالص اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی تو اس میں ریا اور حبِ جاہ کہاں سے آئے گی؟ تو پھر خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام اعمال ہوں گے۔اس لئے جو اولیائے صدیقین کاملین ہوتے ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تجلیاتِ خاصہ و نفحاتِ قرب ممتازہ ورشحاتِ رحمتِ بازغہ ومتسلسلہ ومتواترہ کے ساتھ اُن کے دلوں میں سمائے

رہتے ہیں تو وہ کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کسی کو پیشِ نظر رکھ کر نہیں کرتے۔

الغرض اس اصول کا بھی تقاضا ہے کہ اس گھر میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہونے چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو۔ جب ایسا ہو گا تو ظاہر ہے کہ پھر ہر عمل اخلاص کے ساتھ ہی وجود میں آئے گا اور ریا کاری سے ہماری خود بخود حفاظت ہو جائے گی۔

حکمت نمبر (۲۴)

حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے کام بن ہی نہیں سکتا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈالی کہ اگر ہم کسی کام کو کرنے کے لئے دنیا میں کسی کے پاس جائیں اور اس کے لئے ایک کے بجائے دو، تین، پانچ حضرات ہوں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک سے وہ کام نہ ہوا تو دوسرے سے کرا لیا، دوسرے سے نہ ہوا تو تیسرے سے کرا لیا، یا مثلاً ایسی کوئی ترتیب ہو کہ اُس کام کے کرانے کے لئے ایک ہی شخص ہے مگر سفارشی لوگ موجود ہیں، یا اثر ورسوخ والے یا Force والے موجود ہیں جو اُس پر دباؤ ڈال کر یا سفارش کے ذریعے ہمارا کام کرا دیں گے۔

غرض یہ کہ ان دونوں صورتوں میں چاہے پہلی صورت ہو یا دوسری، کام بننے کی ممکنہ صورت موجود ہوتی ہے، لیکن جہاں ایسا نہ ہو بلکہ تمام کاموں کا مالک اور مدبر و منتظم صرف ایک ہو تو پھر اسے راضی وخوش کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ بس اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری کوئی اور شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اگر اخلاص کے نہ ہونے کے سبب ہم دربارِ خداوندی سے دھتکار دیئے جائیں تو وہ شخصیت ہمارا کام بنا سکے، یا کسی کو سفارشی بنا کر لے جائیں اور اُس سفارشی کے ذریعے سے کام بنوا لیں۔

اسی طرح کوئی ایسی شخصیت بھی نہیں ہے جو By force (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ پر دباؤ ڈال

کر ہمارا کام کرادے، جب معاملہ اتنا سنگین ہے تو پھر اِدھر اُدھر کے علائق اور مخلوق کے تعلقات کو سامنے رکھ کر اگر ہم کوئی عبادت کریں گے یا کوئی دینی کام انجام دیں گے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ ضائع ،لاحاصل اور بے فائدہ رہے گا۔ دنیا میں یہ بات چل سکتی ہے ،اس لئے کہ دنیا میں سفارشی یا دباؤ ڈال کر کام نکالنے والے بھی مل جاتے ہیں، یا پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام صرف ایک ہی سے خاص نہیں بلکہ عام طور پر دوسرے بہت سوں سے ہوسکتا ہے تو اگر ایک سے محرومی ہوجائے تو کہیں اور سے بھی کام ہوجاتا ہے۔

مگر جب یہاں صورتِ حال ایسی نہیں ہے تو پھر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے پاس اخلاص کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہماری دنیوی واُخروی فلاح کی ضمانت اور دنیوی واُخروی عذاب سے حفاظت کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہم تمام اعمال کو خالص ایک اکیلے اللہ کو راضی کرنے کے لئے کریں، ورنہ قرآن نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ نہ وہاں کوئی دوستی چلے گی، نہ کوئی سفارش، نہ وہاں کسی قسم کا اضافی بوجھ کسی پر ڈالا جائے گا اور نہ کسی قسم کا فدیہ وبدلہ دے کر گناہوں کے عذاب سے بچنے کی شکل ہوگی۔

حکمت نمبر (۲۵)

ظاہر میں کچھ اور، اندر میں کچھ اور، یہ دنیا والوں کی نظر میں بھی مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا شخص مکار اور دھوکہ باز ہے

ہر مؤمن کو اس لئے بھی مخلص ہونا چاہیئے کہ ریا کاری کی حقیقت میں اگر غور کیا جائے تو یہ ایک طرح کا دھوکہ ومکاری اور دوغلہ پن ہے، یعنی بظاہر انسان اپنے عمل وعبادت سے یہ دکھاتا ہے کہ میں اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے عبادت کر رہا ہوں، حالانکہ مقصود دوسری چیزیں ہوتی ہیں اور یہ بات دنیا کے ہر فرد وقوم کے نزدیک اور ہر حکومت وملت اور مذہب وشریعت میں دھوکہ وفریب سمجھی جاتی ہے، جو کہ انتہائی گھٹیا اور بدترین خصلت ہے۔

بقول امام غزالیؒ یہ ایسا ہے جیسا کہ غلام آقا کے در پر آیا کہ آقا کی خدمتگاری کرے گا اور اندر سے اس کا مقصد آقا کی باندیوں کو تاک جھانک کرنا ہے تو یہ شخص مجرم شمار ہوتا ہے۔ بس بالکل یہی حال اس ریا کار شخص کا ہے کہ ظاہر میں کچھ ہے اور اندر میں کچھ اور۔ اور یہ چیز مذہبِ اسلام میں ایک طرح کی منافقت ہے اور حرام ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان حکمتوں کو سامنے رکھ کر ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ہر عمل کے کرتے وقت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیشِ نظر رکھیں، دنیا سامنے نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ہم کو استحضارِ رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی نعمت سے مالامال وسرفراز فرمادے۔

❀❀❀
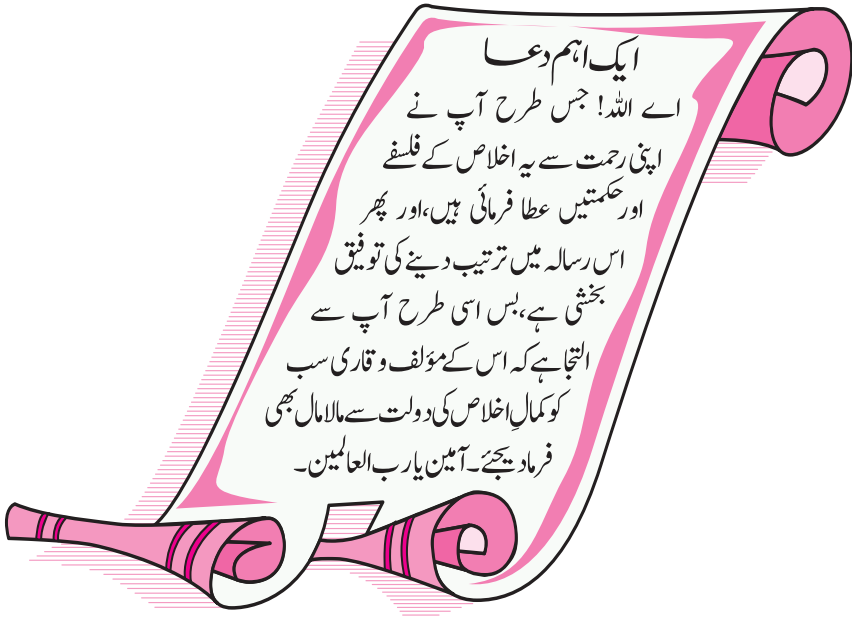
کیسے سمجھ لوں پا گیا وہ جامِ معرفت
رکھتا ہے جو بھی خود کو نمایاں کئے ہوئے
عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تنبیہ المرائین

ریاکاری کی
قباحت وشناعت اور حرمت ومذمت
قرآن وحدیث کی روشنی میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:
"چونکہ ریاکاری کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے، اور لوگوں کے دلوں پر چپکے چپکے حملہ کرکے بُرا اثر ڈالا کرتا ہے، لہٰذا متقدمین نے اس میں بہت کچھ احتیاط ملحوظ رکھی ہے، اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نظروں سے بے حد مخفی رکھا ہے۔"
(تبلیغ دین، از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ: ص ۱۹۲)

ریا کاری کی قباحت وشناعت اور حرمت ومذمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:- فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکھف:۱۴۵) جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے اور اس کا محبوب بننا چاہے تو مجھ کو رسول مان کر میری شریعت کے موافق نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ”اس آیت کا شانِ نزول جو روایاتِ حدیث میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرک سے مراد شرکِ خفی یعنی ریا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا اس کے ساتھ اس کی خواہش یہ بھی تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور غازیانہ عمل پہچانا جائے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں ایسی نیت کرنے سے جہاد کا ثواب نہیں ملتا۔

اسی طرح ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ میں بعض اوقات کسی نیک کام کے لئے یا عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا مقصد اس سے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں۔ آپؐ نے یہ سن کر سکوت فرمایا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں جس شرک سے منع کیا گیا ہے وہ ریا کاری کا شرکِ خفی ہے اور یہ کہ عمل اگرچہ اللہ ہی کے لئے ہو مگر اس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض شہرت ووجاہت کی بھی شامل ہو تو یہ بھی ایک قسم کا شرکِ خفی ہے جو انسان کے عمل کو ضائع بلکہ مضرت رساں بنا دیتا ہے۔“

(معارف القرآن: ج۵ ص ۶۶۱)

ریا کاری کی خطرناکی دجال کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ہے

(۱) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِيْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ: الشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُوْمَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيَزِيْدُ مِنْ صَلَاتِهٖ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ" (مشکوٰۃ: ص ۴۵۶)

خلاصہ حدیث پاک یہ کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آپس میں دجال کا تذکرہ کر رہے تھے، یعنی یہ کہ وہ کس قدر بھیانک اور خطرناک فتنہ ہوگا وغیرہ... تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے حق میں دجال سے بھی زیادہ اندیشہ وخوف کی ہے، تو ہم نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمایئے یارسول اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شرکِ خفی یعنی ریا کاری ہے، جیسے مثال کے طور پر ایک شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو اور وہ یہ دیکھے کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے تو اس کی وجہ سے یہ اپنی نماز کو اور عمدہ اور لمبی کر دے۔

یا مثلاً تقریر کر رہا ہے تو کسی اہم شخصیت پر اس کی نظر پڑی تو اس نے اس کی نظر میں بڑا بننے کے لئے خوب لمبی، شاندار اور عمدہ تقریر شروع کر دی، تا کہ ان کی نگاہ میں اس کا مقام پیدا ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں ریا کاری کا بہت خوف تھا

دوسری ایک روایت میں اسی کے قریب قریب یہ مضمون آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

(۲)"إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ".[بیہقی ومسند احمد]

یعنی خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ مجھے تمہارے اوپر سب سے زیادہ جس چیز کاڈر ہے وہ شرکِ اصغر ہے۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہے؟ توحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ریا ہے۔

فائدہ:- اِس حدیثِ پاک کے اندر رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ جناب نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی امت کوجس انداز اور جس طریقہ سے ریا کاری سے ڈرایا ہے وہ ہمارے لئے بڑی عبرت ونصیحت کاانداز ہے، کیونکہ عام طور پر ہم لوگ دجال کے نام اور اس کے کارناموں اور اس کے فتنوں کی سنگینیوں سے خوب ڈرتے بھی ہیں اور ہمارے درمیان اس کے ہولناک فتنوں کے خوب تذکرے بھی ہوتے ہیں، مگر قربان جائیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کہ ارشاد فرمایا کہ دجال سے اور باقی تمام پیش آنے والے فتنوں اور خوفناک وخطرناک چیزوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ میں تمہارے حق میں ریا کاری سے ڈرتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ریا کے خوف سے تڑپتے کانپتے اور کبھی بیہوش ہوجاتے تھے، اِس ڈر سے کہ کہیں ہم اس مہلک مرض میں مبتلانہ ہوجائیں۔

ریا کی وجہ سے عالم، شہید اور سخی کا برا انجام

(۳)"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ هُوَ جَرِيْءٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ

بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيْهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ " . (الترغیب بحوالہ مسلم ونسائی ص ۶۲)

حدیثِ پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیامت کے دن جن تین حضرات کے متعلق سزاو دخولِ جہنم کا فیصلہ ہوگا وہ ریا کار لوگ ہیں، باوجودیکہ ان کے کارنامے بڑے اونچے درجہ کے ہیں، مگر بوجہ ریا کاری کے منہ کے بل گھسیٹ کر ان کو جہنم میں ڈالا جارہا ہوگا۔

(۱) ایک شخص اپنے ظاہر کے اعتبار سے راہِ خداوندی میں مارا گیا اور مخلوق کی نگاہ میں وہ شہید ہوا تو اس کو لایا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں کا تعارف کرائیں گے، چنانچہ وہ بندہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ سوال کریں گے بتلاؤ تم نے ان نعمتوں کے برتنے اور استعمال کرنے میں کیا کیا؟ تو وہ کہے گا کہ میں آپ کی راہ میں لڑتا رہا لڑتا رہا یہاں تک کہ اپنی سب سے قیمتی چیز یعنی جان آپ کی راہ میں قربان کر ڈالی۔

تو اللہ پاک ارشاد فرمائیں گے کہ تو اپنے قول و قرار میں جھوٹا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تو تو اس لئے لڑا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو دنیا میں تجھے بہادر کہا جاچکا ہے، لہٰذا جو بدلہ تو نے چاہا وہ دنیا میں

تجھے مل گیا،اب یہاں تیرے لئے کوئی بدلہ نہیں ہے،اور اس کے متعلق حکم ہو گا چنانچہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲)اسی طرح ایک شخص وہ ہو گا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا اور پڑھایا ،اس کو اللہ کی بارگاہ میں لایا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کرائیں گے وہ ان کو پہچانے گا تو پھر اللہ تعالیٰ یہی سوال کرے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے استعمال کے بارے میں کیا کیا؟ تو وہ یہ جواب دے گا کہ یا اللہ !میں نے آپ کی رضا کی خاطر علم حاصل کیا اور پھر زندگی بھر علم سکھاتا رہا اور قرآن پڑھتا اور پڑھاتا رہا،تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے،تو نے اس لئے سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تا کہ تجھے قاری کہا جائے،چنانچہ یہ بدلہ تو تجھے دنیا میں مل چکا ہے،پھر اس کے متعلق بھی حکم ہو گا اور اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳)اور تیسرا شخص وہ ہو گا کہ جس پر اللہ عزوجل نے خوب مال و دولت کی فراوانی کی ہو گی اور اس کو مختلف انواع و اقسام کے مال دیئے ہونگے،چنانچہ یہی معاملہ اس کے ساتھ ہو گا۔اس کو لایا جائے گا اور اس کو اپنی نعمتوں کا تعارف کرایا جائے گا،چنانچہ وہ سب نعمتوں کو پہچان جائے گا پھر اس سے بھی یہی سوال ہو گا کہ تو نے ان اموال کے سلسلہ میں ان کے استعمال اور برتنے کے بارے میں کیا کیا؟ تو وہ بھی اسی طرح جواب دے گا کہ یا اللہ !دنیا میں جو بھی خیر کا راستہ مجھے نظر آیا تو میں نے آپ کی رضا کے لئے سب جگہ پر خرچ کیا،کوئی جگہ نہ چھوڑی،تو اس پر اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا ہے۔حقیقت یہ ہے جس سے ہم بخوبی واقف ہیں کہ تیرے دل میں تو یہ بات تھی کہ میں خوب خرچ کروں تا کہ مجھے سخی کہا جائے،چنانچہ دنیا میں کہا جا چکا ہے،پھر اس کے متعلق حکم ہو گا تو اسے بھی جہنم میں منہ کے بل گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا۔

کارنامے بہت اونچے، مگر ریا کی وجہ سے سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جارہے ہیں

ذرا اندازہ لگائیں کہ تینوں اعمالِ خیر کس قدر عظیم کارنامے اور کیسے فضیلت والے اعمال ہیں، مگر اخلاص کے فقدان اور ریاکاری کے وجود سے کتنا بڑا نقصان ہوا کہ نہ صرف یہ کہ کوئی اجر وثواب نہ ملا، بلکہ مزید سزا یہ ملی کہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکا جارہا ہے۔

اور دوسرے یہ کہ یہ سب سے پہلے تین لوگ ہیں جن سے جہنم کو گرمایا جائے گا، جیسا کہ دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ "أُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے عموماً اور سالکین وطالبین کے لئے خصوصاً تحصیلِ اخلاص کی فکر کس قدر اہم ہے، اور ریاکاری کے ڈسنے والے سانپ سے کس قدر چوکنّا اور متنبہ رہنا ضروری ہے، نیز ہر آن اپنا محاسبہ رکھنا اور نیت وارادہ کا جائزہ لیتے رہنا بڑی ہی فکر کی چیز ہے۔

ریاکار کی اصل ذلت تو آخرت میں ہوگی، مگر کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھادیا جاتا ہے

(۴) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ" (بخاری ومسلم)

(۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعِلْمِهٖ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ سَامِعَ خَلْقِهٖ وَصَغَّرَهٗ وَحَقَّرَهٗ" (الترغیب: ص ۶۵)

(۶) وَفِيْ رِوَايَةٍ: "مَنْ قَامَ مَقَامَ رِيَاءٍ وَسُمْعَةٍ رَايَا اللّٰهُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَسَمَّعَ" (الترغیب: ص ۶۵)

وَمَعْنَاهُ مَنْ أَظْهَرَ عَمَلَهُ لِلنَّاسِ رِيَاءً أَظْهَرَ اللهُ نِيَّتَهُ الْفَاسِدَةَ فِيْ عَمَلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوْسِ الْأَشْهَادِ. (الترغیب: ص ۶۵)

ان چند احادیث مبارکہ کا خلاصہ اور نچوڑ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "دنیا کی حقیقت" سے پیشِ خدمت ہے، فرماتے ہیں:-

"قیامت کے دن اعمال کی جزا وسزا ان کے مناسب ہو گی، جو شخص اپنے عمل سے محض مخلوق کو راضی کرنا چاہتا تھا اس کو یہ سزا ملے گی کہ اس کا وہی عمل مخلوق کے تنفر کا ذریعہ بنے گا، جو شخص عمل سے شہرت وعزت کا طالب تھا اس کو یہ سزا ملے گی کہ یہی عمل اس کی ذلت وتشہیر کا سبب بن جائے گا۔

یہ تو آخرت کی سزا ہے اور اس کا کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھادیا جاتا ہے، چنانچہ جو شخص محض رضائے مولیٰ کا طالب ہو، خواہ وہ اپنی حالت کو کتنا ہی چھپائے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی عزت ووجاہت کو قلوب میں راسخ فرمادیتے ہیں اور جو شخص محض ریا کاری کے لئے بنا سنوار کر عمل کرتا ہے تاکہ لوگوں کی نظر میں معزز ہوجائے اور لوگ اس کو بزرگ اور خدارسیدہ سمجھ کر اس کی تعظیم کیا کریں، خواہ وہ اپنی ریا کاری کو کتنا ہی چھپائے، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ اس کی مکاری اور ریا کاری کو ظاہر فرمادیتے ہیں، اور عام مخلوق اس سے نفرت کرنے لگتی ہے، اور اس کی ریا کاری کا عام شہرہ ہوجاتا ہے۔

اس لئے حدیثِ پاک کے مضمون کو اگر دنیا وآخرت دونوں کے لئے عام قرار دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، گویا ریا کاری کی اصل ذلت وتشہیر تو آخرت میں ہو گی، مگر کچھ نمونہ دنیا میں بھی دکھادیا جاتا ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مخلوق کی خاطر کوئی عمل کرنا نفس کی سب سے بڑی حماقت ہے، کیونکہ ایسے عمل پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو اس لئے مرتب نہیں ہوتی کہ اس نے رضائے الٰہی کا قصد ہی نہیں کیا، بلکہ مخلوق کی رضامندی کا قصد کیا۔ اور مخلوق کی رضامندی اس لئے مرتب نہیں ہوئی

کہ اس کی ریا کاری ومکاری کا بھید آخر کھل کر رہے گا اور ریا کار مکار منافق شخص کو کوئی بھی پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا"۔ (دنیا کی حقیقت :ص ۱۵۳)

فائدہ (۱):- اِن احادیث میں سزا کا بھی بیان ہے، اور بغور دیکھیں تو ریا کاری کا ایک علاج بھی ہے کہ جب بات یہ ٹھہری کہ ریا کاری سے دنیا میں بھی نقصان ہے اور آخرت میں بھی، تو پھر آدمی ریا کار کیوں بنے؟ اگر اس کا مراقبہ و دھیان رکھا جائے تو انشاء اللہ ریا کاری سے حفاظت نصیب ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

جو دلوں کا بدلنے والا ہے بس اس کو راضی کرنے کی فکر کریں

فائدہ (۲):- اِن احادیث میں ایک اور نکتہ یہ ہے اور وہ زندگی کے لئے بڑا عظیم سبق بھی ہے کہ اصل مصرّف القلوب یعنی دلوں کو بدلنے والا اور احوالِ ذلت وعزت اور تعظیم وتحقیر کی شکلیں لانے والا ایک اکیلا اللہ عزوجل ہے۔ بندہ اپنی بندگی کو صحیح طرح انجام دیتا رہے اور اپنے اصل کام پر لگا رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات خود بخود بنا دیئے جاتے ہیں۔

اور اگر بندہ اپنے طور پر ہوشیار اور مکار بنے اور بظاہر عبادت واطاعت کے روپ میں لوگوں سے تعظیم وتوقیر کا طالب ہو تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس مکر کی سزا کے طور پر اس کو ذلت ورسوائی اور تحقیر وتذلیل کا مزہ چکھاتے ہیں۔ اس لئے ہر نیک عمل کرتے وقت ہمارے قلب کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کی طرف ہونا چاہئے اور ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی تمام عبادات اور اعمالِ طاعت میں مخلص اور رضائے حق کے طالب ہوں۔

تین ریا کاروں کے انجامِ بد کی حدیث سناتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بار بار بیہوش ہو کر گرتے رہے

(۷) عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ أَبِي الْوَلِيدِ أَبِي عُثْمَانَ الْمَدَائِنِيِّ، أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ شُفَيًّا الْأَصْبَحِيَّ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ، دَخَلَ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ،

فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا: أَبُو هُرَيْرَةَ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ، فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا قُلْتُ لَهُ: أَسْأَلُكَ بِحَقٍّ وَبِحَقٍّ لَمَا حَدَّثْتَنِي حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتُهُ وَعَلِمْتُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً فَمَكَثْنَا قَلِيلًا ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً، ثُمَّ أَفَاقَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ فَقَالَ: أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً، ثُمَّ مَالَ خَارًّا عَلَى وَجْهِهِ فَأَسْنَدْتُهُ عَلَيَّ طَوِيلًا، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ إِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٌ، فَأَوَّلُ مَنْ يَدْعُو بِهِ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْآنَ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ كَثِيرُ الْمَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْقَارِئِ أَلَمْ أُعَلِّمْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلَى رَسُولِي؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا عُلِّمْتَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ فُلَانًا قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتَّى لَمْ أَدَعْكَ تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا آتَيْتُكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَصِلُ الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: فُلَانٌ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِالَّذِي قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: فِي مَاذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُولُ: أُمِرْتُ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتَّى قُتِلْتُ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ: كَذَبْتَ،

وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللّٰهُ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: فُلَانٌ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ »، ثُمَّ ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رُكْبَتِي فَقَالَ: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» وَقَالَ الْوَلِيدُ أَبُو عُثْمَانَ: فَأَخْبَرَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ «أَنَّ شُفَيًّا، هُوَ الَّذِي دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا» قَالَ أَبُو عُثْمَانَ: وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، أَنَّهُ كَانَ سَيَّافًا لِمُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ، فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: «قَدْ فُعِلَ بِهَؤُلَاءِ هَذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَقِيَ مِنَ النَّاسِ؟ ثُمَّ بَكَى مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيدًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ، وَقُلْنَا قَدْ جَاءَنَا هَذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ، ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةُ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ، وَقَالَ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ {مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [هود: ۱۶]. (الترغیب: ص ۶۲، الترمذی أبواب الزهد)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ شفی اصبحی نے ان سے بیان کیا کہ وہ مدینہ طیبہ گئے تھے، وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کے پاس جمع ہو رہے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ان کو بتایا گیا کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ شفی کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں آپؓ کے قریب ہوا یہاں تک کہ آپؓ کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت لوگوں سے احادیث بیان کر رہے تھے۔

جب اس سے فارغ ہوئے اور تنہائی ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ میں حق کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو اور اس کو خوب سمجھا اور رجانا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسا ہی کروں گا۔ تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھ سے ارشاد فرمائی اور جسے میں نے خوب سمجھا

اور خوب جان رکھا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو فرمانے لگے ہاں میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مکان میں خود مجھ سے ارشاد فرمائی تھی اور میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس مکان میں تیسرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ یہ کہہ کر پھر ایک زور کی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو چہرہ صاف کیا اور فرمانے لگے۔ جی ہاں میں ایسا ہی کروں گا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھ سے ارشاد فرمائی، میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس مکان میں تنہا تھے۔ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہمارے ساتھ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ یہ کہہ کر پھر ایک سخت چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر منہ کے بل گرنے لگے، میں نے جلدی سے ان کو سنبھالا۔ دیر تک ان کو ٹیک دلائے بیٹھا رہا۔ دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمانے لگے۔ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نزول فرمائیں گے۔ اس وقت ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی۔ پس سب سے پہلے تین آدمیوں کی پیشی ہو گی۔

۱۔ ایک وہ شخص جس نے قرآن جمع کیا تھا، یعنی قرآن کریم کا حافظ و قاری تھا۔

۲۔ ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہوا تھا۔

۳۔ اور ایک وہ شخص جو بہت مالدار تھا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کیا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائیں گے کیا میں نے تجھے اپنی اس کتاب کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تھی؟ وہ عرض کرے گا بے شک اے رب! ارشاد ہو گا پھر تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا میں رات و دن نماز میں اس کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ بکتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں

گے کہ تو میری رضا کے لئے تلاوت نہیں کرتا تھا، بلکہ تو یہ چاہتا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو کہا جا چکا۔

اور مالدار کو لایا جائے گا اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھے مال و دولت میں وسعت نہیں دی تھی؟ اور تجھے ایسا مستغنی نہیں کر دیا تھا کہ تو کسی کا محتاج نہیں تھا؟ تو وہ عرض کرے گا بے شک اے رب! ارشاد ہوگا پھر میں نے جو کچھ تجھے دیا تھا تو نے اس میں کیا کر دار ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ وخیرات کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بکتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے صدقہ وخیرات میری رضا وخوشنودی کے لئے نہیں کیا، بلکہ تو نے یہ چاہا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں بڑا سخی ہے، سو یہ کہا جا چکا۔

اور اس شخص کو لایا جائیگا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تو کس لئے قتل ہوا تھا؟ وہ عرض کرے گا یا اللہ آپ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا، پس میں نے کافروں سے جنگ کی یہاں تک کہ میں قتل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے میری رضا وخوشنودی کے لئے جنگ نہیں کی، بلکہ تو نے یہ چاہا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، سو کہا جا چکا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اے ابوہریرہ! یہ تین آدمی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے ہوں گے جن پر قیامت کے دن دوزخ کی آگ بھڑکے گی۔

ریاکاروں کی سزا سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ لوگوں نے سمجھا کہ انتقال فرما گئے ہیں

ولید ابوعثمان مدائنی کہتے ہیں کہ مجھے عقبہ بن عامر نے بتایا کہ شفی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حدیث خود ان سے بیان کی تھی۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ مجھے علاء بن حکم نے بتایا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شمشیر زن (جلاّد) تھے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے بیان کی، حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سن کر فرمایا جب ان تین شخصوں کے ساتھ یہ ہوا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس شدت سے روئے کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپؓ کی روح قبض ہو گئی، اور ہم نے کہا کہ یہ شخص بڑے شر کا باعث ہوا۔

دیر کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا، اپنا چہرہ صاف کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل سچ ہے کہ "جو لوگ دنیوی زندگی اور اس کی زینت کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں، تو ہم ان کو ان کے اعمال کا سارا بدلہ اِسی دنیا میں دے دیں گے، اس میں بالکل کمی نہ کی جائے گی، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے آخرت میں جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا، اور ان کی ساری کی ہوئی محنت اور سب اعمال اکارت اور برباد ہو کر رہ جائیں گے۔ اور واقع میں جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اب بھی باطل اور بے اثر ہے۔" (معارف القرآن: ج ۴، ص ۶۰۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتنے فضائل کے باوجود ان کے اس طرح ڈرنے اور رونے میں ہمارے لئے بڑی ہی عبرت ہے

فائدہ:- صاحبو! بہت ہی فکر کی بات ہے کہ ایسے جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابوہریرہ وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ریا کے خوف سے اور اس پر آخرت میں جو عذاب آنے والا ہے اس کے تصور سے کانپ کر بے ہوش ہو جاتے ہیں، جبکہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جن کے لئے قرآنِ کریم میں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ" (التوبۃ:۱۰۰) کا پروانہ مل چکا ہے اور "اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ" (المجادلۃ:۲۲) جیسی عظیم بشارت ان کو مل چکی ہے کہ جن سے اللہ راضی ہو چکا ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کو لکھا جا چکا اور ثابت و راسخ کیا جا چکا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اور عظمت موجود تھی، اس لئے خوف بھی اتنا ہی غالب رہتا تھا، تو پھر آخر ہمیں اپنے متعلق کس قدر فکر ہونی چاہئے اور اپنا کتنا شدید

احتساب رکھنا چاہئے، کیونکہ جب ایسے بڑے بڑے اعمال والے جہنم کا ایندھن بن گئے تو دوسروں کے اعمال میں اگر ریا ہوئی تو کیا حشر ہوگا، وَالْعِیَاذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ.

روایتِ حدیث میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ”لَا یَقْبَلُ اللہُ عَمَلًا فِیْہِ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ رِیَاءٍ“ (الترغیب والترہیب: ص ۲۳) کہ رائی کے دانے کے برابر جس عمل میں ریا ہوگی تو وہ عمل بارگاہِ خداوندی میں قبول نہ ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم کا معاملہ فرما کر ہمیں مکمل اخلاص عطا فرمادیں اور ریا کاری کے شائبہ سے بھی محفوظ فرمادیں۔

فانی عزت کی وجہ سے ہمیشہ کی ذلت مول لینا سمجھداری کی بات نہیں ہے

تنبیہ:- میرے بھائیو! لوگوں میں دنیا کی مختصر شہرت اور اپنے بارے میں چند تعریفی کلمات اور کچھ مال وجاہ کا حصول، یہ سارے مقاصد فانی اور ختم ہونے والے ہیں، سفر آخرت کے وقت ساتھ جانے والے نہیں ہیں، اس لئے عقلمندی اور حقیقی سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ریا کاری کے ذریعے ان مقاصد کے حصول کے بجائے اللہ عزوجل کی رضا اور اس کی خوشنودی کو مقصود بنائیں، تاکہ ہمیں مخلصین کی محبوبیت ومقبولیت عند اللہ کے ثمراتِ دنیوی واخروی پورے طور پر حاصل ہوں اور کامیابی کی حقیقت نصیب ہوجائے۔

ریا کاروں کا ٹھکانہ جہنم کی وہ وادی ہے جس سے خود جہنم بھی روزانہ چارسو مرتبہ پناہ مانگتی ہے

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الحَزَنِ»، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللَّهِ: وَمَا جُبُّ الْحَزَنِ؟ قَالَ: «وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ». قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ؟ قَالَ: «اَلْقُرَّاءُوْنَ الْمُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ» وَفِيْ رِوَايَةٍ أَرْبَعِمِائَةِ مَرَّةٍ ، وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى فِي

الطَّبرَانِی : يُلْقَى فِيهِ الغَرَّارُونَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الغَرَّارُونَ ؟ قَالَ: اَلْمُرَاءُونَ بِأَعمَالِهِمْ فِي الدُّنيَا"۔ (الترغیب ص ٦٧ والترمذی أبواب الزہد)

خلاصہ حدیثِ پاک کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب الحزن" یعنی غم کے کنویں سے اللہ کی پناہ چاہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ غم کے کنویں سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم بھی روزانہ سو مرتبہ اور ایک روایت کے مطابق چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا وہ قاری جو اپنے اعمال میں ریا کاری کرتے تھے۔

اور معجم طبرانی اوسط میں یہ مضمون حدیث شریف میں مزید آیا ہے کہ اس میں "غَرَّار" یعنی دھوکہ بازلوگوں کو ڈالا جائے گا، سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ! یہ "غَرَّارُوْن" اور دھوکہ بازلوگ کون ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے اعمال میں ریا کاری کرنے والے لوگ۔

فائدہ:- میرے مسلمان طالبینِ اصلاحِ نفس بھائیو!

(۱) اول تو یہ بات غور کرنے کی ہے کہ اس حدیث شریف میں ذکر کیا ہوا مضمون علماء و قراء حضرات کی نصیحت و عبرت کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ عام جہنم ہی کی گرمی اور تمازت اتنی شدید ہے کہ دنیا کی آگ سے ستّر گنا زیادہ جس کی گرمی ہوگی، پھر اس کے اندر بھی ایسی وادی کہ خود جہنم اس کی شدتِ گرمی سے روزانہ سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ تو اس کی حدت و گرمی کا کیا عالم ہوگا؟ ظاہر ہے یہ سب سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی باتیں ہیں، کوئی فرضی افسانہ نہیں ہے۔ الامان والحفیظ۔

ریا کار بظاہر عبادت گذار، مگر اندر سے مکار و دھوکہ باز ہے

(۲) اس حدیث شریف سے ایک اہم مضمون یہ بھی معلوم ہوا کہ ریا کار لوگ درحقیقت دھوکہ باز اور مکار و غرّار ہوتے ہیں، کیونکہ دل میں اپنے اعمال و کردار اور طاعات و عبادات سے کچھ اور چاہتے ہیں، اور بظاہر لوگوں کو کچھ اور دکھاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ریا کاری کے گناہ اور حرام ہونے

کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو گی۔

اور اس چیز کا اگر تھوڑا سا دھیان کر لیا جائے تو ریا کاری کا علاج ہو جائے کہ ریا کار اپنی ریا کاری سے اللہ کی ذاتِ علیم وخبیر اور عالم الغیب والشہادۃ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، جبکہ یہ ناممکن اور محال ہے، تو اس پر غور وفکر سے انشاء اللہ جلد ہی اس مرض سے نجات مل جائے گی۔

یہ سزا صرف ریا کار قاری و عالم ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے

(۳) ایک خاص بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ اوپر کی احادیث میں تو شہید، سخی اور عالم و قاری کا ذکر آیا تھا، مگر اس حدیث شریف میں صرف قراء کا تذکرہ رہ گیا، یعنی وہ تین لوگ جن کو اول اول جہنم میں جھونکا جائے گا ان میں سے دو کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

تو حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قرآنِ کریم کا علم سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔ اس شخص نے اس عمدہ ترین نعمت کو گناہ اور معصیت کا ذریعہ بنایا، اس لئے یہ سب سے زیادہ عذاب کا مستحق ہوا۔

نیز قرآنِ کریم کا علم جس کو نصیب ہوا اُس میں خوف وخشیت، عبدیت و انابت اور اخلاص و معرفت کی صفات بھی سب سے زیادہ ہونی چاہئیں، اور ان صفات کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال خالصتاً لوجہ اللہ محض رضائے الٰہی کے لئے ہوں، اس کی نظر مخلوق سے یکسر ہٹ جائے، لیکن جس بدقسمت کو قرآنِ کریم کے علوم حاصل ہونے کے باوجود ان صفات سے محرومی رہی، اس کا جہل بھی سب سے قبیح اور بدترین ہے، اس لئے بدترین سزا کا بھی مستوجب ہوا۔"

تنبیہ:- اِسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاملینِ قرآن کو اپنے اعمال کی نگہداشت کرنے اور ان کے اندر اخلاص پیدا کرنے کی دوسروں سے زیادہ ضرورت ہے۔

(دنیا کی حقیقت: ص ۱۶۰)

نوٹ:- الترغیب والترہیب میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو مضمون ہے اس کے اندر مزید چند لوگوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ لِحَامِلِ كِتَابِ اللهِ وَالْمُتَصَدِّقِ فِيْ غَيْرِ ذَاتِ اللهِ وَالْحَاجِّ إِلٰى بَيْتِ اللهِ وَالْخَارِجِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. (الترغیب: ص ٦٧)

یعنی یہ وادی کہ جس سے خود جہنم چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے، جن لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے ان میں قراء وعلماء اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور غرض ونیت سے مال صدقہ کرنے والا اور لوگوں کو دکھلانے اور اپنا نام حاجی کہلوانے کی خاطر اللہ کے گھر کا حج کرنے والا اور اللہ کی راہ میں نکلنے والا یہ سب لوگ بھی شامل ہیں۔

بہر حال اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اس جہنم کی وادی میں داخل ہونے والوں میں صرف حاملینِ قرآن ہی نہیں رہیں گے، بلکہ یہ دوسرے تین قسم کے ریا کار بھی داخل وشامل ہوجائیں گے۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْ ذٰلِكَ بِفَضْلِهٖ وَمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ.

اپنے علم وعبادت کے ذریعہ جمع کیا ہوا مال ریا کار کو قیامت میں کچھ نفع نہ دے گا

(۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ آخِرُ الزَّمَانِ صَارَتْ أُمَّتِيْ ثَلَاثَ فِرَقٍ فِرْقَةٌ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ خَالِصًا وَفِرْقَةٌ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ رِيَاءً وَفِرْقَةٌ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ لِيَسْتَأْكِلُوْا بِهِ النَّاسَ فَإِذَا جَمَعَهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لِلَّذِيْ يَسْتَأْكِلُ النَّاسَ: بِعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ مَا أَرَدْتَ بِعِبَادَتِيْ فَيَقُوْلُ وَعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ أَسْتَأْكِلُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَمْ يَنْفَعْكَ مَا جَمَعْتَ اِنْطَلِقُوْا بِهٖ إِلَى النَّارِ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلَّذِيْ كَانَ يَعْبُدُهٗ رِيَاءً بِعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ مَا أَرَدْتَ بِعِبَادَتِيْ قَالَ: بِعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ رِيَاءَ النَّاسِ قَالَ لَمْ يَصْعَدْ إِلَيَّ مِنْهُ شَيْءٌ اِنْطَلِقُوْا بِهٖ إِلَى النَّارِ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلَّذِيْ كَانَ يَعْبُدُهٗ خَالِصًا بِعِزَّتِيْ

وَجَلَالِیْ مَا أَرَدْتَ بِعِبَادَتِیْ قَالَ: بِعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ أَنْتَ أَعْلَمُ بِذَالِكَ مَنْ أَرَدْتُ بِهِ أَرَدْتُ بِهِ ذِكْرَكَ وَوَجْهَكَ قَالَ: صَدَقَ عَبْدِیْ اِنْطَلِقُوْا بِهِ إِلَى الْجَنَّةِ. (الترغیب:ج ۱،ص ۳۵)

خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آخری زمانہ قربِ قیامت کا ہوگا تو میری امت کے اندر تین گروہ اور جماعتیں ہوں گی۔

۱۔ پہلی وہ جماعت جو پورے اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریگی۔

۲۔ دوسری وہ جماعت جو کہ ریا کاری اور دکھلاوے کیلئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگی۔

۳۔ اور تیسری وہ جماعت جس کی عبادت کا مقصد محض دنیا کا کچھ کھانا پینا اور روپیہ پیسہ وغیرہ ہوگا تاکہ نیکوں کا رنگ وروپ ہونے کی وجہ سے لوگ معتقد بن کر ہدایا وتحائف دیا کریں۔

پھر جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا تو اس دنیا جمع کرنے والے سے اللہ تعالیٰ سوال کریں گے کہ میری عزت وجلال کی قسم! بتلاؤ تم نے میری عبادت سے کیا ارادہ کیا تھا؟ میری عبادت سے تمہارا کیا مقصود تھا؟ تو وہ بندہ کہے گا کہ یا اللہ آپ کی عزت وجلال کی قسم! میرا مقصد تو آپ کی عبادت سے یہی تھا کہ لوگوں سے مال جمع کروں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہارے اس جمع کئے ہوئے مال ودولت نے آج تم کو کوئی نفع نہیں دیا۔ اے فرشتو! اس کو لے جاکر جہنم میں ڈال دو۔

پھر اللہ تعالیٰ اس بندہ سے سوال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت محض دکھلاوے کے لئے کیا کرتا تھا کہ میری عزت وجلال کی قسم! صاف صاف بتلا کہ تو نے میری عبادت سے کیا چاہا تھا؟ تو بندہ جواب میں کہے گا کہ آپ کی عزت وجلال کی قسم یا اللہ! میں نے آپ کی عبادت دکھلاوے کے طور پر کی تھی، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں پہنچا۔ اے فرشتو! اسے بھی لے جاکر جہنم میں ڈال دو۔

پھر اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے کہ جو خالص اللہ کی رضا کے لئے عبادت کرتا تھا کہ اے میرے بندے! میری عزت وجلال کی قسم! تو بتا کہ تو نے عبادت کیوں کی تھی؟ بندہ جواب میں عرض کرے گا کہ آپ کی عزت وجلال کی قسم! آپ کو اس کا خوب علم ہے کہ میں نے کیا ارادہ کیا تھا۔ میں نے اس کے ذریعہ آپ کی یاد اور آپ کی رضا کا ارادہ کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کو جنت میں لے جاؤ، داخل کر دو۔

وجودِ عمل قبولِ عمل کو مستلزم نہیں ہے

تنبیہ:- اِن احادیثِ مبارکہ کے ضمن میں ہمیں یہ بات بھی بڑی وضاحت سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دینی اعمال اور خدمات بہت کر رہا ہو، مگر قبول نہ ہو رہی ہوں۔

احقر نے بعض لوگوں کو اس بات پر روکا ٹوکا اور سمجھایا کہ وہ کہتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اعمال کی توفیق دی ہے تو قبول ہی کرنا ہے، ورنہ اگر قبول نہ کرتے تو توفیق کیوں دیتے؟

یہ جملہ علی الاطلاق درست نہیں ہے، جبکہ اس مذکورہ بالا حدیث اور دوسری احادیثِ ریاء سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کا صدور ہوا مگر چونکہ اخلاص دل میں موجود نہ تھا تو قبول نہ ہوئے، بلکہ مزید باعثِ سزا و مستوجبِ عذاب ہو گئے، تو معلوم ہوا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وجودِ عمل تو ہو جائے مگر قبولِ عمل نہ ہو، یعنی انسان اعمال تو کرلے مگر بوجہ فقدانِ اخلاص قبول نہ ہوں۔ اس لئے علی الاطلاق یہ کہنا درست نہیں ہے۔

ہاں اسی جملہ کو یوں بولنا اور سمجھنا سمجھانا بالکل درست ہے کہ اخلاص کے ساتھ کئے ہوئے اعمال کی توفیق خدا تعالیٰ نے دی ہے تو بلاشک وشبہ وہ قبول بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اگر قبول کرنا نہ ہوتا تو اعمال کو اخلاص کے ساتھ کرنے کی توفیق نہ دیتے۔ جب توفیق دی تو انشاء اللہ قبول بھی ہوں گے۔ اور آگے ایک مختصر سی نصیحت یہ عرض کرتا ہوں کہ عمل کر لینے کے بعد بندہ اس کی عدمِ قبولیت سے ڈرتا رہے

اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا پورا گمان بھی رکھے تو انشاء اللہ تعالیٰ قبولیت نصیب ہوگی۔

ریا کی بیماری اس قدر باریک ہے کہ شیخ و مصلح کے بغیر نہ تو اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ علاج ہی ہوتا ہے

فائدہ:- حدیثِ مذکور میں تین طبقوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ ہے جس کے اعمال مقبول قرار پائے اور دوسرے دو وہ ہیں کہ جن کے اعمال مردود ہو گئے۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ کبھی یہ ریا ایسی چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ آدمی کا ذہن خود اس کی طرف نہیں جاتا ہے جب تک کہ اس کا شیخ و مرشد اور مربی و مصلح اس کو توجہ نہ دلائے، یعنی حبِّ جاہ و مقام اور طلبِ مال و دولت اور ریا کبھی کبھی دل کی گہرائی میں کہیں چھپی ہوتی ہے کہ فلاں فلاں مالداروں کی مسجد و محلہ میں اس لئے بیان کرنا اور وعظ کہنا ہے تاکہ اول ان سے ربط ہوگا، پھر کبھی کبھی ان سے اپنی مادی ضرورتیں پوری کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔ اور کبھی حج وعمرہ کا ٹکٹ ملے گا، کبھی عنوان بعنوان دعوتوں میں بلائے جائیں گے، کبھی کچھ قرض وغیرہ لینا ہو تو وہ لوگ میرے کام آئیں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کچھ استطعام ہی کی قبیل سے قرار پائے گا، یعنی دل کی آخری چھپی ہوئی نیت وہی غیر اللہ کی ہوئی، جو کہ اخلاص کے بالکل منافی ہے۔ اور ایسی کسی بھی نیت سے انسان کا عمل حبط و ضائع اور بیکار، بلکہ مستوجبِ عذاب ہو جائے گا۔

اخلاص کے ساتھ کئے ہوئے عمل کو اخلاص کے ساتھ باقی رکھنا زیادہ بھاری و مشکل ہے

(۱۰) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: « إِنَّ الْاِتِّقَاءَ عَلَى الْعَمَلِ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُكْتَبُ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ

مَعْمُولٌ بِهِ فِي السِّرِّ يُضَعَّفُ أَجْرُهُ سَبْعِينَ ضِعْفًا، فَلَا يَزَالُ بِهِ الشَّيْطَانُ حَتَّى يَذْكُرَهُ لِلنَّاسِ وَيُعْلِنَهُ فَتُكْتَبَ عَلَانِيَتُهُ، وَيُمْحَى تَضْعِيفُ أَجْرِهِ كُلِّهِ، ثُمَّ لَا يَزَالُ بِهِ الشَّيْطَانُ حَتَّى يَذْكُرَهُ لِلنَّاسِ الثَّانِيَةَ، وَيُحِبُّ أَنْ يُذْكَرَ وَيُحْمَدَ عَلَيْهِ فَيُمْحَى مِنَ الْعَلَانِيَةِ وَيُكْتَبَ رِيَاءً، فَاتَّقَى اللّٰهَ امْرُؤٌ صَانَ دِينَهُ، وَإِنَّ الرِّيَاءَ شِرْكٌ». (شعب الایمان للبیہقی)

یعنی خلاصہ حدیث شریف یہ کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ عمل کر کے پھر ڈرنا اور یہ خوف رکھنا کہ یہ مقبول ہوگا یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں اخلاص نہ ہونے کے سبب یہ مقبول نہ ہو، یا جیسے کرنا چاہئے ویسے میں نے نہ کیا ہو، یا یہ کہ نہ معلوم اس پر استقامت رہے یا نہ رہے، وغیرہ، یہ سب کچھ صرف عمل کے مقابلہ میں زیادہ بھاری اور دشوار ہے، یعنی مطلب یہ کہ عمل کر کے اس میں اخلاص وللّٰہیت پر قائم رہنا یہ عمل کر لینے کے مقابلہ میں زیادہ دشوار ہے۔ یہ تو بہت سے لوگ کر لیں گے کہ بعض دینی اعمال وخدمات اور عبادات بالکل تنہائی میں کر لی اور مخلوق کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا، لیکن کر لینے کے بعد پھر آخر تک اس کیفیت پر جمے رہنا اور اس میں ریا وحبِّ جاہ وغیرہ کے جذبات دل میں پیدا نہ ہونے دینا، یہ بہت مشکل ہے۔ اسی لئے آگے حدیث پاک میں تفصیل ارشاد فرمائی گئی ہے کہ بعض آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اس کے لئے نامۂ اعمال میں ایک ایسا نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے کہ جو خلوت میں بڑی یکسوئی ذہن اور اخلاصِ نیت سے کیا گیا ہے اور اسی کی بدولت اس کا اجر بھی ستّر گنا کر دیا جاتا ہے، مگر شیطان اس بندہ کے پیچھے لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اُسے یہ سُجھاتا ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو لوگوں کے سامنے ذکر کرے اور اس کا مختلف انداز اور طور طریقوں سے Advertise اور اعلان وتشہیر کرے تو پھر اس عمل کے خلوت میں ہونے کا جو ثواب اس کے حق میں بڑھا دیا گیا تھا وہ تو ختم ہو جاتا ہے اور صرف نفسِ عمل کا ثواب اس کے حق میں باقی رہ جاتا ہے، اور پھر اسی پر بس نہیں، شیطان مزید کارروائی یہ کرتا ہے کہ اس کے پیچھے

لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اس خلوت والے عمل وعبادت کو لوگوں میں دوبارہ ذکر کرتا ہے اور خود پسند کرتا ہے کہ لوگ اس عمل کے سلسلہ میں اس کا تذکرہ اور اس کی تعریف کریں، یہاں تک کہ اب اس کا علانیہ نیکی کرنے کا جو ثواب تھا وہ بھی جڑ سے ختم کر دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھ دیا جاتا ہے کہ اس کا یہ عمل وعبادت ریا کاری والی ہے، اور اس طرح شیطان اس عبادت کو ضائع وبرباد کر کے اسے عذاب وسزا کا مستحق بنا دیتا ہے اور اس کو شرکِ خفی میں مبتلا کر ڈالتا ہے۔

لٰہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ کا متقی بندہ وہ ہوگا کہ جس نے اپنے دین کو ریا وغیرہ سے بچالیا تو عمل کی ابتداء میں بھی ریا سے بچا اور انتہاءً ودواماً وبقاءً بھی ریا کاری سے بچا رہا۔

جب تک اخلاص وللّٰہیت پر موت نہ آجائے تب تک انسان کو ڈرتے رہنا اور اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے

فائدہ (۱):- آہ! کتنی مفید اور گہری ونفع بخش بات ہے کہ جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیطانی چالوں اور حرکتوں کے کیسے کیسے انداز ہوتے ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ جب تک تقویٰ وللّٰہیت اور اخلاص وپرہیز گاری پر موت نہ آجائے، تب تک انسان کو ہر لحظہ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا اور اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے، بس یہی راہِ نجات ہے، اس کے سوا چارہ نہیں ہے، اور احقر راقم سطور عرض کرتا ہے کہ تمام اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندوں کی ہمیشہ یہی شان رہی ہے، اور یہی ولایت وبزرگی کا خاص معیار اور اولیائے کرام کی نمایاں ادا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمادے۔

جہاں تک ہوسکے اپنے اعمال کو مخفی رکھیں

فائدہ (۲):- اس حدیث شریف میں اگر غور سے دیکھا جائے تو اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کے بندے کو چاہئے کہ حتی الامکان اپنے عمل کو مخفی اور چھپا ہوا رکھنے کی کوشش کرے، کیونکہ شیطان کی مکاریوں اور اس کی سازشوں سے بچنے کا یہ ایک بہترین راستہ ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے اکابر

کی زندگیوں میں دیکھا اور ان کی سوانح میں پڑھا کہ ہمارے اکابر دین کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے تھے اور پھر کمال یہ تھا کہ اپنے نام کو خوب چھپاتے تھے، اور آج کل ہم کام کم کرتے ہیں اور چھپنے کی کوشش زیادہ کرتے ہیں، یعنی لوگوں میں مشہور ہونے کی نیت وارادہ سے کرتے ہیں۔

"تحدیثِ نعمت" کے عنوان میں کہیں "تشہیر" کی خواہش تو مخفی نہیں ہے؟

تنبیہ:- یاد رکھنی چاہئے یہ بات کہ جو لوگ اپنے بہت سے کارنامے اور دینی خدمتیں لوگوں میں پیش کرتے ہیں اور زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ "تحدیثِ نعمت" کے طور پر کہہ رہا ہوں، اس کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عنوان اور مُعَنوَن میں مطابقت نہیں ہوتی ہے، یعنی بظاہر عنوان تو "تحدیثِ نعمت" کا، یا دوسروں کی تشجیع وترغیب دلانے کا ہوگا، مگر درحقیقت دل میں یہ بات چھپی ہوگی کہ ذرا لوگوں کو علم ہو تو اپنے کو لوگ پہچان لیں اور تعریفیں کیا کریں اور ملاقاتوں میں تعظیم واحترام سے پیش آئیں وغیرہ وغیرہ دوسری نیتیں دل کے نہاں خانوں میں چھپی ہوتی ہیں، تو ایسی صورت میں محض تحدیثِ نعمت یا تشجیعِ غیر کے عنوان سے یہ عمل ریاکاری سے خارج نہ ہو سکے گا۔

تحدیثِ نعمت اور ریاء وتفاخر کے تذکروں میں بڑا دقیق فرق اور قیمتی پہچان

اس مضمون سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ گفتگو کا مختصر خلاصہ چند جملوں میں یہ ہے کہ:-

ہم جس وقت اپنی کوئی خوبی اور کمال لوگوں میں بیان کر رہے ہوں اور ہم اپنے ذہن میں یہ خیال کر رہے ہوں کہ میں یہ تذکرہ صرف تحدیثِ نعمت اور ادائے شکر کے طور پر کر رہا ہوں تو اگر عین اس وقت میں ہمارے دل میں مندرجہ ذیل احساسات وخیالات موجود ہوں، تب تو سمجھو کہ یہ "تحدیثِ نعمت" ہے، ورنہ "ریاء وتفاخر" وغیرہ ہے۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کمال اور خوبی محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے، میرے کسی ذاتی استحقاق کی وجہ سے نہیں، اور نہ میرے اندر کوئی ایسی ذاتی صلاحیت ہے، بلکہ یہ صرف عطائے خداوندی ہے، اور یہی بات شکر کی جڑ ہے۔

دوم یہ کہ دل دل میں یہ بھی خیال رہے کہ نہ معلوم میرا یہ نیک عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول بھی ہوگا یا نہیں، اس کا خوف اور خدشہ دل میں گذر رہا ہو، کیونکہ بہت سی مرتبہ استدراج اور ڈھیل کے طور پر ہوتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، اور اس کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ اس آدمی کے دل میں قبول نہ ہونے کا خوف واندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

سوم یہ کہ ہوسکتا ہے کہ میری کسی کوتاہی کی وجہ سے مجھ سے اس نیک عمل کی توفیق چھین لی جائے اور میں محروم کردیا جاؤں۔

چہارم یہ کہ ہوسکتا ہے کہ میرے اندر کوئی ایسی خرابی وکمی اور عیب ونقص ہو، یا مجھ سے کبھی کوئی ایسا عمل سرزد ہوگیا ہو جو اللہ کی بارگاہ میں سخت ناپسند ہو اور اس کی وجہ سے میں آخرت میں مستحقِ عذاب وعقاب قرار پاؤں۔

پنجم یہ کہ ساری باتیں تسلیم ہیں، مگر کسی بھی شخص کو کیا معلوم ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ہر خوبی وکمال کا نافع اور کارآمد ہونا خاتمہ بالخیر ہی پر موقوف ہے۔

تو اپنے کسی کمال اور خوبی یا ایسی کسی دینی خدمت اور کارگذاری کو بیان کرتے وقت یہ سارے احتمالات دل میں موجود ہوں تب یہ سمجھا جائیگا کہ یہ "تحدیثِ نعمت" کے طور پر ہے، ورنہ بصورتِ دیگر حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ عنوان مُعنوَن کے مطابق نہیں ہوتا ہے، یعنی عنوان تو لگایا ہے "تحدیثِ نعمت" کا اور مقصود اس سے لوگوں کے سامنے اپنے کمالات ومحاسن ذکر کر کے یہ چاہنا ہے کہ ان کے دلوں میں میری عظمت وبڑائی پیدا ہو اور وہ میرے کمالات سے واقف ہو کر میری تعریف میں رطب اللسان ہوں، ظاہر ہے کہ پھر یہ ریا اور طلبِ جاہ وشہرت کی قبیل کا ایک عمل ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ

اکمل ہونا الگ ہے اور افضل ہونا الگ

ملاحظہ:- سبحان اللہ! حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی کیا شان ہے کہ کس طرح سے ایک دوسرے سے ملتی جلتی مشابہ چیزوں میں ایسا واضح فرق پیش فرماتے ہیں کہ جس کا سمجھنا بالکل سہل اور آسان ہوجائے، جیسے کہ "انفاسِ عیسیٰ" میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکمل اور افضل ہونے میں فرق بیان کیا ہے کہ اکمل ہونے کا تعلق محسوسات سے ہے، جیسے حافظ غیر حافظ سے اکمل ہے اور حافظ وعالم صرف حافظ سے اکمل ہے۔ اور افضل ہونے کا تعلق عند اللہ مقبول ومحبوب ہونے سے ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات نظر سے مخفی ہے تو اِسی لئے اپنے کو اکمل سمجھنا تو جائز ہے، مگر افضل سمجھنا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ احقر راقمِ سطور نے جس دن سے یہ بات پڑھی تو کتنی ہی علمی جگہوں اور مشکل مقامات میں بے شمار عقدے حل ہو گئے۔

"شرکِ خفی" یعنی ریا سے حفاظت کی بڑی قیمتی دعا

(۱۱) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ - رضى الله عنه - قَالَ: « خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، اِتَّقُوا هَذَا الشِّرْكَ، فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ »، فَقَالَ لَهُ مَنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ , وَكَيْفَ نَتَّقِيهِ وَهُوَ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ؟ , قَالَ: « قُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ، وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهُ (الترغيب بحواله أحمد والطبرانى)

اور "احیاء علوم الدین" میں ہے:-

اَلشِّرْكُ أَخْفٰى فِيْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ.

اس مضمون سے متعلق کئی صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں، جیسے اوپر کی حدیث حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ سے۔اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس میں صبح وشام تین مرتبہ یہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے اور اسی طرح صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

کنزالعمال (جلد ۲ ص۸۱۶) پر ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "شرک میری امت میں کالے پتھر پر چیونٹی کی رفتار سے زیادہ پوشیدہ ہے۔"

الغرض خلاصہ سب احادیث کا تقریباً یہی ہے کہ شرک (یعنی ریا کاری) بہت زیادہ مخفی چیز ہے۔ اور گویا جس طرح اندھیری رات میں کالے پتھر پر کالی چیونٹی کی رفتار ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ مخفی طریقہ سے شرک دل کے اندر آجاتا ہے، کیونکہ رات بھی اندھیری ہو اور کالا پتھر ہو اور اس پر کالی چیونٹی چل رہی ہو اس کا نظر آنا کس قدر مشکل ہے؟ اس سے بھی زیادہ خفیہ طریقہ سے شرک قلب میں داخل ہوجاتا ہے اور اس سے اقویاء وخواصِ امت بھی مشکل سے بچ پاتے ہیں، تو ضعیف الایمان لوگوں کا کیا کہنا؟

مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں یہ مضمون مذکور ہے کہ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور عرض کیا فَكَيْفَ النَّجَاةُ وَالْمَخْرَجُ مِنْ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ اس سے نجات اور نکلنے کی صورت کیا ہوگی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تو اسے پڑھ لے تو بَرِئْتَ مِنْ قَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ وَصَغِيْرِهٖ وَكَبِيْرِهٖ، یعنی اس دعا کی برکت سے قلیل وکثیر اور چھوٹے بڑے ہر قسم کے شرک سے تمہاری حفاظت ہوجائے گی، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ضرور بتایئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یوں دعا مانگا کرو:- اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ

(مرقاۃ ج۱۰ ص۷۰ / کنزالعمال جلد ۲ ص۸۱۶)

لوگوں میں تشہیر وتعریف کے اندر مؤمن کے لئے بڑا خطرہ چھپا ہوتا ہے

(۱۲)عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بِحَسْبِ امْرِیٍٔ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ یُّشَارَ إِلَیْہِ بِالْأَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ أَوْ دُنْیَا إِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللہُ. (مشکوٰۃ: ص۴۵۵)

یعنی خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے شر اور برائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ دین یا دنیا کے سلسلہ میں وہ اتنا مشہور ہو جائے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جانے لگے، بجز اُن خاصانِ خدا کے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محفوظ فرمالے۔

یعنی گویا شہرت اور لوگوں میں نام کے پھیلنے اور چمکنے اور شخصیت کے اجاگر ہونے کا اصل خاصہ یہی ہے کہ یہ چیز انسان کو شر اور برائی اور تباہی و بربادی میں مبتلا کر ڈالتی ہے، کیونکہ فطری طور پر آدمی اپنی عزت و مدحت اور لوگوں میں شہرت و عظمت سے خوش ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی خواہش اور لوگوں سے اس کی تمنا کرنا یہ سب نفس و شیطان کی وہ چالیں ہیں کہ جن کے ذریعہ وہ انسان کے دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اِسی لئے فرمایا گیا ہے:-

”مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَھَا مِنْ حِرْصِ الرَّجُلِ عَلَی الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِیْنِہٖ“. (الآداب للبیہقی:۱/۳۲۲)

یعنی مال و جاہ کی حرص و طمع ایسی خطرناک چیز ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو تو جتنا فساد و تباہی وہ بھیڑیے ان بکریوں کے ریوڑ میں نہیں مچائیں گے، اس سے زیادہ تباہی و بربادی یہ مال و جاہ کی حرص اس کے دین کے اندر مچادے گی۔

اس حدیث کے ضمن میں شارحِ مشکوٰۃ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں میں شہرت و تعظیم کی خواہش و آرزو کے معاملہ میں بجز صدیقین کے کوئی بھی شیطانی مکر و کید سے بچ نہیں سکتا ہے، اس

لئے گمنامی اور لوگوں میں چھپے رہنا انسان کے دین کی حفاظت کے لئے زیادہ اعلیٰ و اولیٰ و اسلم و احوط ہے، اور بلاشبہ یہی زیادہ سلامتی اور احتیاط والا راستہ ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ص:۴۵۵)

آخر اسی اخفاء پر حدیثِ صحیح میں عرش کا سایہ ملنے کی فضیلت سنائی گئی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:-

"وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ"

(حاشیہ ترغیب: ص ۶۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس رونا

(۱۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا إِلَى مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: يُبْكِينِي شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ، وَإِنَّ مَنْ عَادَى لِلّٰهِ وَلِيًّا، فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْأَبْرَارَ الْأَتْقِيَاءَ الْأَخْفِيَاءَ، الَّذِينَ إِذَا غَابُوا لَمْ يُفْتَقَدُوا، وَإِنْ حَضَرُوا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُعْرَفُوا، قُلُوبُهُمْ مَصَابِيحُ الْهُدَى، يَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ. (سنن ابن ماجہ: ۵/۱۲۶)

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجدِ نبویؐ کے قریب تشریف لے گئے تو وہاں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے معاذ! آخر تمہیں کیا پریشانی ہے جو تم رو رہے ہو، کیا چیز تمہارے رونے کا سبب ہے؟

تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے رونے کا سبب ایک حدیث شریف ہے جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور وہ یہ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا تو بس یہ سمجھو کہ اس نے اللہ سے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ عزوجل اپنے ایسے نیک متقی اور مخفی و پوشیدہ چھپے ہوئے بندوں کو محبوب رکھتے ہیں کہ جب وہ کسی مجلس و محفل سے غائب ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے، اور جب وہ وہاں حاضر ہوں تو انہیں خصوصی طور پر ضیافت و مہمان نوازی اور اکرام و اعزاز کے لئے بلایا نہ جائے۔ یہ اللہ کے ایسے محبوب اور مقرب بندے ہوتے ہیں کہ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں اور یہ بڑے بڑے فتنوں کے مہیب اور خطرناک حالات سے بڑی آسانی سے نکل جاتے ہیں۔

یا یہ بھی مطلب محتمل ہے کہ ہر بڑے سے بڑے مشکل معاملات کی ذمہ داری سے بڑی آسانی وسہولت کے ساتھ عہدہ برآ ہوجاتے ہیں اور بڑی سے بڑی مشکل اور پیچیدہ الجھنوں اور دشوارترین حالات ومسائل سے بھری ہوئی کٹھن وادی سے اپنی خداداد بصیرتِ ایمان واخلاص کی برکت سے بسہولت پار ہوجاتے ہیں۔

فائدہ (۱):- بڑی نصیحت وعبرت کی بات ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کا ریا کے خوف سے اس طرح رونا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک کہ "إِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ" کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے، یعنی شرک کا لفظ جو اصل میں توحید والوں میں متصور ہی نہیں ہے، مگر فرمایا جارہا ہے کہ مومن ومسلم بھی اگر مخلص نہ ہو تو گویا کہ وہ ایک طرح سے شرک میں مبتلا ہو گیا ہے۔

ریا کو زبانِ نبوت کا شرک فرمانا ہی اس کی سنگینی کے لئے کافی ہے

(۱۴) اسی لئے ایک حدیثِ پاک میں ارشادِ نبوی ؐ ہے کہ "مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ" (مشکوٰۃ)

یعنی نمازی اگر اپنی نماز کو خوب اچھا بنا کر کسی کو دکھانے کے لئے پڑھ رہا ہو تو سمجھ لو کہ اس نے شرک کرلیا، اور اسی طرح جو روزہ دار کسی کو دکھانے کے لئے روزہ رکھ رہا ہو، باتوں باتوں میں اپنے

پیر اور جمعرات کے نفلی روزوں کا ذکر کر دیتا ہو تو سمجھو کہ اس نے بھی شرک کیا، اور اسی طرح صدقہ و خیرات کرنے والا جب ریا کار ہو تو سمجھ لو کہ وہ بھی اپنے اس عمل میں مشرک ہو گیا۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو گی جس کا آپ اپنی امت پر ڈر محسوس کر رہے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے شداد! میری امتِ اجابت کے لوگ سورج اور بت یا پتھر کی عبادت تو نہیں کریں گے، لیکن اپنے اعمال میں ریا کریں گے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے؟ ارشاد فرمایا "نَعَمْ" جی ہاں، ریا شرک ہے۔ (الترغیب والترہیب: ص ۷۱)

تو اے قارئینِ کرام! غور فرمایئے کہ ہم سب کو اس سلسلہ میں اپنا کس قدر محاسبہ رکھنا چاہئے اور بار بار ماہر روحانی ڈاکٹرز (اللہ والوں) کو اپنے حالات لکھ کر اپنا چیک اپ کراتے رہنا چاہئے، ورنہ یہ مرض اس قدر مخفی اور باریک ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بالکل احساس نہیں ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ بعض جسمانی بیماریاں مشینوں پر سب طرح کے ایکسرے اور ٹیسٹ ہونے کے باوجود ماہر ڈاکٹروں کے مریض کو دیکھے بغیر معلوم نہیں ہو پاتی ہیں، بالکل اسی طرح ریا کاری کا معاملہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رونا ہمیشہ فکرِ آخرت میں تھا، نہ کہ فکرِ دنیا و فکرِ معاش میں

فائدہ (۲):- احقر اپنے مختصر مطالعۂ احادیثِ شریفہ کی روشنی میں عرض کرتا ہے کہ جہاں جہاں احادیثِ شریفہ میں صحابہ کرام کا رونا مذکور ہوا ہے تو ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی دینی و اخروی فکر و غم ہی اس کا سبب معلوم ہوتا ہے، کبھی بھی دنیا کی کمی اور مادی پریشانیوں کی وجہ سے رونے کے قصے نہیں ملتے، چنانچہ یہاں بھی یہی چیز ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ریا کے خوف سے رو رہے ہیں کہ کہیں ہم اس

میں مبتلا نہ ہوجائیں، اس لئے کہ صحابہ شرک اور مشرکانہ ساری ادائیں اور حرکات چھوڑ چکے تھے اور پکے موحّد و مسلم اور مومن تھے، اس لئے خوف وخشیتِ خداوندی کی وجہ سے رو پڑتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے رونے کی دوسری وجہ

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے کی دوسری وجہ بعض شراحِ حدیث نے یہ بھی لکھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ذات کی وجہ سے کسی اللہ کے ولی کو نادانستہ طور پر تکلیف پہونچ گئی ہو۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

وَهُوَ فِي غَايَةٍ مِنَ الْخَفَاءِ، لِأَنَّهُ أَدَقُّ مِنْ دَبِيبِ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ، وَقَلَّمَا يَسْلَمُ مِنْهُ الْأَقْوِيَاءُ، فَكَيْفَ الضُّعَفَاءُ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ أَسْبَابِ الْبُكَاءِ، وَسَبَبٌ آخَرُ أَذَى الْأَوْلِيَاءِ وَغَالِبُهُمْ أَخْفِيَاءُ، كَمَا فِي الْحَدِيثِ الْقُدْسِيِّ: «أَوْلِيَائِي تَحْتَ قِبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي» (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۹/۱۸۸)

یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ریا کے خوف سے رو رہے تھے، اور ریا تاریک رات میں مضبوط چٹان پر کالی چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی اور غیر محسوس ہے، اور یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے صحابہ لرزتے، کانپتے اور روتے تھے، تو ہم جیسے ضعیفوں کا کیا حال ہوگا؟

اور رونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کہیں اللہ کے کسی ولی کو نہ پہچاننے کی وجہ سے ایذا نہ پہنچ گئی ہو، کیونکہ اکثر اولیاء اللہ مخفی ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:- "میرے اولیاء میری قبا میں مستور رہیں، انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

اللہ کے ہر ولی کا لوگوں میں مشہور ہونا ضروری نہیں ہے

فائدہ (۳):- اِس حدیثِ پاک کے ذیل میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبین

اور مقبولین کے لئے مشہور ہونا اور لوگوں میں پہچانا ہوا اور شہرت یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ بہت سی مرتبہ اس حدیث میں مذکور صفات کے حاملین چھپے ہوئے بندے اللہ کے ایسے محبوب اور پیارے ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں دوسری روایات میں یوں آیا ہے کہ "لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ" (بخاری: ٦/٥٢) کہ یہ اللہ کے خاص محبوب بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کر کے کوئی قسم کھالیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کو پورا فرما دیتے ہیں۔

اب عرض یہ کرنا ہے کہ جب اللہ کے ایسے نیک بندے بھی ہوتے ہیں اور نیک بندوں سے عداوت اور دشمنی رکھنا اللہ سے جنگ کرنے کے برابر ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم ظاہری طور پر ٹھیک ٹھاک رہنے والے ہر مسلمان اور اللہ کے نیک بندے سے حسنِ ظن رکھیں، خواہ مخواہ بلاوجہ بدگمانی و بدظنی نہ رکھیں کہ کہیں ہم کسی اللہ کے ولی سے دشمنی اور عداوت کے جرم میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کرنے والوں میں شامل نہ ہو جائیں۔

آخرت کے عمل سے دنیا کا طالب زمینوں اور آسمانوں کا ملعون ہے

(١٥) وَرُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَزَيَّنَ بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَهُوَ لَا يُرِيْدُهَا وَلَا يَطْلُبُهَا لُعِنَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الترغیب: ص ٦٦)

یعنی حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ جو شخص آخرت کے عمل کے ساتھ مزین ہوا، یعنی ظاہری طور پر اس کو اختیار کیا کہ بہترین بیان و تقریر اور عمدہ قراءتِ قرآن اور شاندار درسِ قرآن و حدیث وغیرہ کا مشغلہ رکھا، مگر وہ اس عمل سے آخرت کا طالب و قاصد نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصود و مطلوب دوسری کوئی چیز، یعنی اپنا نام و مقام یا مال و جاہ وغیرہ ہے اور لوگوں میں مشہور ہو کر کچھ دنیوی مفادات و مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص پر زمینوں اور آسمانوں میں لعنت کی جاتی ہے، یعنی

وہ اللہ کی بارگاہ میں زمینوں اور آسمانوں کا ملعون قرار دے کر رحمت الٰہی سے دور کر دیا جاتا ہے۔

اگر کوئی ہمیں زمینوں اور آسمانوں کا ملعون کہہ کر پکارے؟

فائدہ:- غیر مخلص مسلمان اگر دل دل میں یہ سوچ لیا کرے کہ میں زمینوں اور آسمانوں میں ملعون کے لقب سے پکارا جارہا ہوں، یعنی اس ریا کاری کی حرکت سے میں اس کا اہل ہو گیا ہوں اور پھر تصور کرے کہ اگر کوئی شخص اس لقب سے مجھے پکارے کہ او زمینوں اور آسمانوں کے ملعون! تو کیسا لگے گا؟

عملِ آخرت سے دنیا کا طالب زمینوں اور آسمانوں میں اچھے تذکروں سے محروم رہتا ہے

(۱۶) وَرُوِیَ عَنِ الْجَارُوْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ طُمِسَ وَجْهُهُ وَمُحِقَ ذِكْرُهُ وَأُثْبِتَ اِسْمُهُ فِي النَّارِ (الترغیب: ص۶۶ بحوالہ طبرانی)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص آخرت کے عمل سے دنیا کا طالب ہو گا، یعنی جو عمل دینی واخروی اجر وثواب کا باعث ہے، تو اُسی کی نیت ہونی چاہئے اور وہی مقصود اور پیشِ نظر ہونا چاہئے، مگر اس نے اس کے بجائے دنیا کے مادی مقاصد اور مفادات کو اپنے اس عمل کے ذریعہ مقصود بنایا، خواہ روپیہ پیسہ، یا عزت وشہرت کی نیت ہو، یا اور کوئی اس طرح کا مطلوب ومقصود پیشِ نظر ہو، تو نہ صرف یہ کہ اس کو اس عمل کا ثواب نہیں ملتا ہے، بلکہ اس ریا کاری اور دنیا پرستی کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ اس کے چہرہ کو مٹا دیا جاتا ہے، یعنی وہ عزت وتکریم اور توقیر وتعظیم والا معاملہ لوگوں میں باقی نہیں رہتا اور اس کے چہرہ پر بھی اس کے مطابق تغیر کر دیا جاتا ہے، اور اس کا ذکرِ خیر بالکل مٹا کر ختم کر دیا جاتا ہے، یعنی وہ اللہ کی بارگاہ میں اور اہل اللہ کی نگاہوں میں مذموم اور برا شخص قرار دے دیا جاتا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں اس کے خیر کے تذکرے مٹا دیئے جاتے ہیں اور آخرت کی ایک بڑی سزا یہ

ملتی ہے کہ اس کا نام اہلِ جہنم کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔

علماء و قراء اور دینی خدام کے لئے بڑی نصیحت

فائدہ:- ان دونوں حدیثوں کے ضمن میں یہ بات بالکل واضح اور صاف سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا کی طلب دنیا کمانے کے جائز طریقوں سے ہو تو ناپسندیدہ نہیں ہے، یعنی مال و دولت کو مال و دولت کے طریقوں سے کمایا جائے تو برا نہیں، لیکن اس کے لئے دینی اعمال وطاعات کو ذریعہ بنائے تو یہ سخت ناپسندیدہ و باعثِ سزائے اخروی ہے۔

اس لئے اِس حدیث شریف کو سامنے رکھ کر خاص طور پر علماء وصلحاء اور قراء و حفاظ کے طبقہ کو بہت سوچ سوچ کر قدم اٹھانا چاہئے کہ ہمارا ہر عمل، دینی تقریر و بیان اور قراءت وتلاوت اور درس و تدریس اور مدرسہ کا انتظام واہتمام کیا واقعی صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، یا اس میں کچھ دوسری نیتیں اور اغراض و مقاصد ہی اصل پیشِ نظر ہو چکے ہیں؟

اگر اللہ کے لئے یہ سب کام اخلاص کے ساتھ کئے جا رہے ہوں اور پھر اس کے عوض منجانب اللہ ہمیں دوسرے فوائد حاصل ہو رہے ہوں تو اس کے محمود و پسندیدہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں ہے۔

ریا کار کے لئے قیامت کے دن ہونے والا خطرناک اعلان

(۱۷) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ أَبِيْ فُضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا جَمَعَ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ فَإِنَّ اللهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ (مسند احمد، مشکوٰۃ: ص ۴۵۴)

یعنی خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے، اُس دن کہ جس دن کے آنے میں ذرہ برابر بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے تو ایک

پکارنے والا پکارے گا اور اعلان کرے گا کہ جس شخص نے بھی اللہ کے لئے کوئی عمل کرتے ہوئے اس میں کسی کو شریک ٹھہرایا تھا تو اسے چاہئے کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس شخص سے لے لے۔ اللہ تعالیٰ تو آج ان اعمال کا ثواب دیں گے کہ جو اعمال بندہ نے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ بے نیاز ہے، یعنی جس عمل وطاعت میں بندہ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے شریک کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے لئے تو وہی اعمال لائق ہوں گے جن میں پورا پورا اخلاص رہا ہوگا، اس لئے کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی عمل وطاعت میں ریا کاری آجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ اس دن تو ظاہری وحقیقی ہر لحاظ سے پوری پوری ملکیت وبادشاہت صرف اللہ عز وجل کی ہوگی، وہاں تو کسی کو دم مارنے، یا ہلنے جلنے تک کی ہمت نہ ہوگی تو کہاں سے کوئی کسی کو بدلہ دے سکے گا؟ اس لئے خلاصہ یہ کہ اس کی سزا چکھنی ہوگی۔

فائدہ:- کبھی بھی کسی سے بھی اپنے کسی دینی عمل کے ذریعہ کسی بھی قسم کا کوئی بدلہ، مال وجاہ کی تمنا، یا منصب ومقام اور مدح وثنا کی آرزو وغیرہ ذہن میں نہ رکھنی چاہئے، ورنہ روزِ محشر بڑی محرومی ہوگی۔ اس لئے حقیقی کامیابی کے لئے اخلاصِ عمل کا ہونا بہت ہی اہم اور ضروری ہے۔ بدون اس کے اخروی ندامت وپشیمانی لازم اور یقینی ہے اور یہ بڑی حقیقی واصلی ذلت ورسوائی ہوگی۔ حق تعالیٰ اس ذلت ورسوائی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین.

ہر اچھا یا برا عمل ظاہر ہو کر رہے گا، خواہ بے کھڑکی و دروازہ والی چٹان میں گھس کر کیا گیا ہو

(۱۸) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا عَمِلَ عَمَلًا فِيْ صَخْرَةٍ لَا بَابَ لَهَا وَلَا

كُوَّةٌ خَرَجَ عَمَلُهُ إِلَى النَّاسِ كَائِنًا مَّا كَانَ (مشکوٰۃ : ص۴۵۶)

یعنی خلاصۂ حدیث یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی قسم کا اچھا یا برا کوئی کام، ایسی پتھر کی چٹان میں داخل ہو کر کرے کہ جس کا نہ کوئی دروازہ ہے اور نہ کوئی روشن دان وسوراخ ہے، لیکن اس کے باوجود اس شخص کا عمل لوگوں کے سامنے نکل کر رہے گا، خواہ کیسے بھی ہو، خود عامل نے ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور خواہ وہ عامل کوئی بھی ہو، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ" (البقرۃ:۷۲) یعنی جسے مخلوق چھپانے پر لگی ہو اور اللہ تعالیٰ اُسے نکالنا اور دکھانا چاہیں تو ضرور وہ لوگوں کے سامنے آکر رہتا ہے، خواہ وہ اچھا عمل ہو یا بُرا۔

فائدہ:- اگر غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ اس حدیث کے مضمون میں مراقبہ و دھیان جمانے سے خود بخود ریاکاری کا مکمل علاج ہو سکتا ہے، کیونکہ جب ہماری اچھائی یا برائی کا اثر اللہ کی جانب سے لوگوں کے دلوں پر ڈال دیا جاتا ہے، تو پھر خواہ مخواہ دکھلاوا کرنے سے کیا فائدہ؟ خالص اللہ کے لئے نیک اعمال کریں اور برے اعمال سے بچیں۔

چھپ کر کی ہوئی نیکی یا برائی کی خاص چادر اس کے کرنے والے پر ڈال دی جاتی ہے

(۱۹) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَتْ لَهُ سَرِيْرَةٌ صَالِحَةٌ أَوْ سَيِّئَةٌ أَظْهَرَ اللّٰهُ مِنْهُ رِدَاءً يُعْرَفُ بِهِ (مشکوٰۃ: ص۴۵۴)

سبحان اللہ! کیا ہی خوب بات ہے کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی خلوت میں چھپ کر کی ہوئی نیکی ہو یا برائی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک خاص چادر اس عامل یعنی کرنے والے کو اُڑھا دیتے ہیں کہ جس سے اس کو پہچان لیا جاتا ہے، یعنی حق تعالیٰ اس کے چہرہ پر اور اس کی اداؤں میں ایک ایسا اثر اور ایسی خاص تاثیر رکھ دیں گے کہ جس سے لوگ اس کو ویسا ہی سمجھنے لگیں گے۔

فائدہ:- حقیقت یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے ریا کاری کی جڑ کٹ جاتی ہے کہ جب بات یوں ہے جیسے حدیث میں اوپر بیان ہوئی تو پھر ریا کاری سے فائدہ کے بجائے نقصان ہی ہوگا، اور مؤمن مخلص کو تو اظہار سے کوئی مطلب اور سروکار ہی نہیں، کیونکہ اس کا مقصود تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ جب اللہ کی رضا کے لئے اس نے عمل کرلیا، اب چاہے اللہ اس کو ظاہر کردے یا مخفی رکھے، خواہ گمنامی دے یا شہرت عطا کردے، اس کو تو یہ سب کچھ اللہ کے حوالہ کردینا چاہئے۔

طالبعلمی کی تین فاسد نیتیں دخولِ جہنم کا باعث ہیں

(۲۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ (مشکوٰۃ : ۳۴)

خلاصۂ حدیثِ پاک یہ کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مندرجہ ذیل تین غلط دنیوی مقاصد میں سے کسی ایک کے لئے دین کا علم حاصل کیا اور اس میں خوب مہارت پیدا کی تاکہ:-

۱۔ اس کے ذریعہ بڑے بڑے علماء سے علمی مناظرے اور مقابلے کرکے ان کو نیچا دکھائے، اور اُن پر اپنی برتری و علمی تفوّق کا سکہ جمائے۔

۲۔ یا اس کے ذریعہ جاہلوں اور بے علموں سے مجادلہ اور مباحثہ کرے، تاکہ وہ زیر ہوکر اس کو بڑا عالم تصور کرلیں۔

۳۔ یا یہ مقصد ہو کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے یعنی عوام کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرے، یا مدرسہ میں درس و تدریس کے ذریعہ وہاں کے طلبہ میں اپنی علمی صلاحیت کے جوہر دکھا کر ان کے درمیان مقبول بننے اور ان کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کی فکر میں لگا ہو، جیسا کہ مدارس میں آج کل یہ مرض خوب پایا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ جو دین کا علم اللہ کی رضا کے لئے اور لوگوں میں وعظ و تبلیغ کر کے ان کو ہدایت پر لانے اور رشد وہدایت کی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے سیکھنا چاہئے تھا، اس شخص نے ان سارے دینی اور اچھے مقاصد کو چھوڑ کر محض اپنی دنیوی شہرت ومقبولیت اور لوگوں کے قلوب میں اپنی بڑائی وعلمی شان پیدا کرنے کے لئے حاصل کیا، تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے عالم کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔

کیونکہ دین کا یہ علم دراصل اچھے مقاصد کے لئے سیکھا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کا قرب اور رضا اور اللہ کی معرفت وخوشنودی حاصل کی جاتی ہے، مگر اس نے اخلاص کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور غیر اللہ کو مقصود بنایا تو نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ جہنم میں ڈالے جانے کی وعید سنائی گئی ہے اور دوسری حدیث پاک میں یہ ہے کہ "ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا"۔

طالب علم کو اول ہی سے اپنی نیت مخلصانہ کر لینی چاہئے

فائدہ:- یہی علمِ دین کی طلب اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو اس کی اس قدر فضیلت ہے کہ اس راہِ طلبِ علمِ دین میں موت آجانے کی صورت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فاصلہ رہتا ہے۔ اور جب تک اخلاص کے ساتھ دین سیکھتا رہے گا تو وہ فی سبیل اللہ شمار ہوتا رہے گا اور اگر اس زمانہ میں موت آگئی تو شہادت کا درجہ پائے گا، اور اگر دین سیکھ کر پھیلانے کی نیت ہو اور پھر اس کا شغل ہو تو وارثینِ انبیاء میں شامل ہو کر اس کی فضیلت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے دین سکھانے والے عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سب سے ادنیٰ صحابی پر۔

بہر حال نیت بگڑنے اور اخلاص وللّٰہیت نہ رہنے کے سبب یہی عظیم محنت وعمل اس عالم کے جہنم

میں لے جانے کا ذریعہ بن گیا۔ اس لئے اے طالبعلمو! اچھی نوکری اور بڑی Job کی نیتیں اور اسٹیجوں پر مجمعوں میں تقریریں کر کے بڑے بننے کے خیالات کو روزِ اول ہی سے اپنے دل سے دور رکھو، ورنہ یہ ساری محنت آبادی کے بجائے بربادی اور ترقی کے بجائے تنزلی کا سبب ہو کر رہ جائے گی۔

ریا کاری کی حرمت کی مختلف وجوہ

وجہِ اول:- ریا کاری ایک دھوکہ ہے اور دھوکہ حرام ہے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ریا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اول تو اس لئے کہ اس میں لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنا معتقد بنانا لازم آتا ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اس کو ہبہ کر رہا ہے، حالانکہ وہ ہبہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس کو قرض دے رہا ہے، تو چونکہ اس میں بھی دھوکہ لازم آ رہا ہے، اس لئے یہ بھی معصیت ہے، چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بنا کر لوگوں کے خیالات میں اس بات کا ڈالنا کہ یہ نیکوکار اور قابلِ تعظیم ہے اور اس طرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا، سو اس کے دھوکہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے؟ پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیونکر نہ کہا جائے۔

وجہِ دوم:- ریا کاری اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے

ریا کاری حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں خادم بن کر کھڑا ہو، اور اس کھڑا ہونے سے اس کی غرض اپنے آپ کو شاہی خدمتگار اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنے کی نہ ہو، بلکہ بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی کو تکنا یا کسی کنیز (باندی) کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ کے دربار کا گستاخ سمجھا جائے گا، اور بے ادبی کا مجرم قرار پائے گا۔ اسی طرح جب عبادت میں حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہوئی، بلکہ بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ اس کو نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہوں تو گویا بندوں کو خدا تعالیٰ کی نسبت اپنے نفع

ونقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی یہاں تک عظمت بٹھائی کہ عبادت بھی انہیں کی نذر کر دی۔ (خلاصہ از تبلیغ دین: ص۱۸۶)

وجہِ سوم:- ریا کاری کی حقیقت عزت و ذلت وغیرہ دینے میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا ہے

اسی طرح احقر راقم سطور عرض کرتا ہے کہ جب کوئی مسلمان ریا کاری میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرے لفظوں میں اس کا حاصل و خلاصہ یہ ہوا کہ وہ شخص گویا کہ مخلوق کو عزت و بزرگی، مال و دولت اور نفع و نقصان دینے والا سمجھ رہا ہے، اِسی لئے تو وہ مخلوق کو دکھلا کر طاعت و عبادت کر رہا ہے، تاکہ لوگ معتقد بن کر مجھے نفع پہنچائیں۔ مثال کے طور پر ایک عالم و مقرر اور خطیب و واعظ لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں خوب عمدہ اور شاندار تقریر کر رہا ہے، کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اس مجمع کے اندر بڑے بڑے مالدار اور دولتمند لوگ بیٹھے ہیں اور بڑے اونچے اونچے اداروں اور جامعات کے مہتمم حضرات وغیرہ بھی بیٹھے ہیں، تو ان حضرات کے دل میں اپنی عزت و عظمت اور بزرگی و بڑائی بٹھانے اور ان کو اپنے علم و تقویٰ سے مرعوب کرنے کے خیال و نیت اور چاہت و ارادہ سے خوب عمدہ فصیح و بلیغ تقریر کر رہا ہے، جیسا کہ عام طور پر ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ یہی شخص اگر تنہائی میں یا مختصر لوگوں کے مجمع میں ہوتا تو پھر اس طرح بیان نہ کرتا۔

بہر حال حاصل یہ کہ وہ اپنے اس بیان و تقریر کے ذریعہ گویا کہ لوگوں سے وہ چیز چاہ رہا ہے جو خود لوگوں کے قبضہ میں نہیں ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف ایک اللہ کے قبضہ میں ہے، یعنی عزت و ذلت دینا، نفع و نقصان پہنچانا، اس لئے یہ بھی اس کی حرمت کی ایک بڑی وجہ ہوسکتی ہے۔

نکتہ:- اور اس کو جو شرک کہا گیا ہے اس کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گویا اس شخص نے ایک لحاظ سے شرک فی الصفات کیا ہے، یعنی مُعِزّ و مُذِلّ اور نَافِع و ضَارّ اور مُعْطِی و مَانِع یعنی

عزت وذلت دینے والا اور نفع ونقصان پہنچانے والا اور دینے اور روکنے والا صرف ایک اللہ ہے، مگر اس نے اپنی ریا کاری کے ذریعہ گویا کہ دوسروں کو بھی ان سب چیزوں میں شریک سمجھ لیا ہے، تو یہ ایک طرح سے شرک کے مانند ہوگیا، اِسی لئے اس کو شرکِ اصغر کہا گیا ہے۔

وجہِ چہارم:- ریا کار کا مقصود بندگی کے بجائے مخلوق کی رضامندی ہے

احقر کی ناقص رائے میں یہ بھی اس کی حرمت کی ایک وجہ کہی جاسکتی ہے جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ "ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عملِ خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے خلاف ہے، کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہوگیا کہ رضائے خلق وحصولِ منزلت مقصود ہے، لہٰذا اس کا نام شرکِ اصغر ہے"۔ انتہیٰ (تبلیغ دین: ص ۱۸۲)

وجہِ پنجم:- ریا کاری کی حقیقت مخلوق سے عبادت کا بدلہ چاہنا ہے، جو کہ حرام ہے

یہ بھی اس کی ایک وجہ کہی جاسکتی ہے کہ ریا کاری کا خلاصہ یہ ہوا کہ بندہ اپنی طاعت وعبادت کا مخلوق سے بصورتِ مدح وتعریف معاوضہ لینا چاہتا ہے، اور ظاہر ہے مخلوق سے اپنی عبادت کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ (تبلیغ دین: ص ۲۵۵)

ریا کاری کی مختلف شکلیں

جب اخلاص وریا کا معنی ومطلب اور اس کا مفہوم واضح ہوگیا تو اسی کی روشنی میں ریا کاری کی چند شکلیں عرض کرتا ہوں، اور تقریباً اس کا اکثر حصہ بلکہ تمام ہی حصہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تبلیغ دین" کے مضامین کا خلاصہ ہے۔

(ا) ریا کی ایک قسم تو یہ ہے کہ ریا کار شخص عمل کے شروع ہی سے ریا کر رہا ہو، جیسے مثال کے طور پر لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع میں جلسہ قراءت و مقابلہ حسنِ قراءت ہو رہا ہے اور لوگوں سے خوب بھرا ہوا پنڈال اور میدان سامنے ہے اور اس میں بڑے بڑے لوگ سامعین کے مجمع میں موجود ہیں، تو قاریِ قرآن تلاوتِ قرآن کو خوب بنا سنوار کر محض اس لئے پڑھ رہا ہے کہ اس کو اپنی عظمت کا سکہ جمانا اور مدح و تعریف کے کلمات لوگوں کی زبانوں پر جاری کرانا ہے، یا ایسے ہی کسی مجمع میں مقرر و واعظ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور اس کی نگاہوں کے سامنے مجمع میں موجود بڑے بڑے صاحبِ دولت و ثروت اور اربابِ حکومت و سلطنت تشریف فرما ہیں تو ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی کہ جس کو سن کر سارا مجمع جھوم اٹھا اور ہر طرف سے واہ واہ کی صدا سنائی دینے لگی اور گویا آج کی تقریر سے لوگوں کے دل و دماغ پر جناب مقرر صاحب کے علم و فضل کا نشہ چھا گیا، تعظیم و توقیر اور تشہیر و تکریم کے مقاصد پورے ہوتے نظر آنے لگے۔ یہ ریا کی ایک شکل ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اثنائے عبادت اور تکمیلِ طاعت و بندگی میں ریا ہو، جیسے مثلاً اوپر کی مثال میں شروع سے یہ مقرر و واعظ اور یہ قاریِ قرآن پورے اخلاص و یکسوئی کے ساتھ اپنی تقریر و تلاوت میں مشغول ہے، مگر اسی اثناء میں اس کی نظر مجمع میں شریک بعض بڑے صاحبِ دولت و منصب شخصیت پر پڑی، یا کسی اور طریقہ سے اس کو بیان و تلاوت کے دوران بعض معزّز دینی و دنیوی بڑی شخصیات کی آمد کا علم ہوا اور حکومت و سلطنت اور منصب و مقام کے لحاظ سے بڑے مشہورِ زمانہ حضرات کی جلسہ میں شرکت اور حاضری معلوم ہونے پر اپنی تقریر و بیان اور تلاوت و قراءت کو مزید سے مزید عمدہ و خوبصورت اور فصیح و بلیغ بنا کر پیش کرنے لگ جائے، تو یہ طاعت و عبادت کے درمیان میں ریا کاری کہلائے گی، اور یہ سب اجر و ثواب کو ضائع اور ختم کر دینے والی ہے۔

(۳) تیسری صورت طاعت و عبادت کے ختم ہو جانے کے بعد ریا کا شامل ہونا ہے، جیسے اسی

مذکورہ مثال میں جب قاری وواعظ کو قراءت ووعظ سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ فلاں فلاں بڑے لوگ ہمارے بیان وتلاوت میں بیٹھے ہوئے تھے تو دل دل میں بڑا خوش ہو رہا ہے کہ چلو آج ان لوگوں کو میرے علمی کمالات کا اندازہ ہوجائے گا، بہت اچھا ہوا کہ انہوں نے سنا، آج سے ان کے دلوں میں میری عزت وعظمت اور قدر ومنزلت قائم ہوجائے گی۔ دل دل میں بہت خوش ہو رہا ہے اور خیالاتِ عزت وعظمت اور احساساتِ تعظیم وتکریم میں ڈوبا ہوا ہے کہ اب تو یہ سب میری بہت عزت کیا کریں گے اور ان کے درمیان میری خوب شہرت ہوجائے گی، چلو بڑا اچھا ہوگیا۔ تو یاد رکھئے کہ یہ بھی ریا ہے۔

(۴) ایک چوتھا درجہ ریا کا یہ ہے کہ کاش لوگ میرے ان بیانات اور تقریروں کو اور مقابلۂ حسنِ قراءت میں میری کی ہوئی عمدہ تلاوت کو سن لیں تو پھر ان کو اس کا احساس ہو سکے کہ میں کون ہوں؟ اور پھر اس طرح وہ لوگ دل سے میری تعظیم وتوقیر کرنے لگیں۔ کاش کوئی شخص فلاں فلاں صاحبِ دولت وثروت آدمی کو اور فلاں فلاں اداروں کے ذمہ داروں اور مہتمموں کو میرے بیانات کی CD اور تقریروں کی کیسٹیں اور تصنیفات وتالیفات کے کچھ نسخے پیش کردے اور وہ انہیں سن کر اور پڑھ کر میرے قدردان اور ماننے والے بن جائیں، میرے علمی کمالات کے وہ قائل ہوجائیں اور اس کے نتیجہ میں مجھے عزت وعظمت بھی ملے اور ہدیے تحفے بھی میسر ہوں۔

الغرض قصہ مختصر یہ کہ جہاں بھی اپنی طاعت وعبادت کے ذریعہ کسی بھی درجہ میں لوگوں سے کسی بھی قسم کی کوئی امیدِ مال وجاہ اور توقعِ تعظیم وتکریم کا خیال دل میں آجائے یا مال ودولت اور شہرت ووجاہت کی چاہت، یا امیدِ تعریف ومدحت دل میں پیدا ہوجائے تو بس سمجھ لو کہ ہماری یہ عبادت ریا کا شکار ہو کر ضائع ہوگئی۔

ریا کاری کا نہایت دقیق اور باریک درجہ۔ از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

(۵) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک ریا کا درجہ اس سے بھی زیادہ خفی

اور دل میں چھپا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جب لوگ اس کی عبادات وطاعات اور دینی خدمات اور قومی و ملی سرگرمیوں پر مطلع ہوتے ہیں تو اس کو کوئی خاص خوشی وغیرہ تو نہیں ہوتی، مگر وہ اس بات کا متمنی اور آرزومند رہتا ہے کہ کاش لوگ میری تعریف کیا کریں، سلام ومصافحہ میں ابتدا اور معاملات میں میری رعایت کریں اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ کچھ برائی کر بیٹھتا ہے تو اس کو تعجب ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے، کیونکہ ان خیالات اور آرزوؤں سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر اپنی طاعت وعبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے اور اگرچہ لوگوں سے اپنی ریا کو چھپایا ہے، مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر اور احترام کی خواہش دل میں ہے۔

آگے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس قسم کی ریا ہے کہ جس سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں، اور یہ بھی گناہ میں داخل ہے اور اس پر بھی اعمال کے حبط (ضائع) ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے۔ (خلاصہ از تبلیغ دین: ص ۱۹۱)

ریا بعد الموت

(۶) احقر راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ریا کاری کی ایک اور category اور اس کا ایک اور درجہ ہے، اور وہ "ریا بعد الموت" ہے، جس کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ آدمی بہت سے اعمال یہ سوچ کر انجام دیتا ہے کہ ان اعمال کی وجہ سے میرے مرنے کے بعد میرے جنازے میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد شریک ہو کہ دنیا والے دیکھ کر کہہ اٹھیں کہ واہ کیا شخصیت تھی، مگر افسوس کہ ہم نے ان کو نہ پہچانا!

ایسے لوگ دنیا میں رہ کر بڑے بڑے کارنامے اس لئے انجام دیتے ہیں کہ کل کو مرنے کے بعد میری شخصیت پر بڑے بڑے جلسے اور تعزیتی پروگرام ہوں، مقالے لکھے جائیں اور خوب دھوم دھام سے میرا جنازہ اٹھے اور میری یادگاریں قائم ہوں۔

اس قسم کی ساری نیتیں وہ ہیں جن کو "ریا بعد الموت" کہتے ہیں، یہ ریا بھی انسان کی بڑی بڑی

خدمات کو بالکل ضائع اور برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ریا کی اس قسم کو یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: یَکُوْنُ الرَّجُلُ مُرَائِیًا فِی حَیَاتِہٖ وَبَعْدَ مَوْتِہٖ. قِیْلَ: کَیْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: یُحِبُّ أَنْ یَکْثُرَ النَّاسُ فِی جِنَازَتِہٖ. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ، وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض آدمی اپنی زندگی میں بھی ریا کار ہوتے ہیں اور موت کے بعد بھی۔ کسی نے پوچھا کہ موت کے بعد کیسے کوئی ریا کار ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ میرے جنازے میں بہت زیادہ لوگ شامل ہوں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۹/۳۶)

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ اخلاص کا حصول اور ریا سے حفاظت ایک مسلمان کی زندگی کا بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ اس لئے ریا خواہ جلی ہو یا خفی، یا اخفیٰ، یا اشد خفاءً ہو، سب سے بچنے کی بڑی ہی فکر ہونی چاہئے، بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ ریا ایسی بیماری ہے کہ دل کے اندر اس طرح چھپی رہتی ہے جس طرح راکھ کے اندر آگ کی چنگاری۔ اسی لئے تو ریا کار کو لوگوں میں اپنی عبادت کا چرچا اور اپنی تعریف سن کر دل کو خوشی ہوتی ہے۔

تنبیہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "تبلیغِ دین" میں اس پر بھی بڑی اچھی گفتگو فرمائی ہے جس کا جی چاہے وہ وہاں مطالعہ کرلے کہ عبادات وطاعات میں ریا کاری کی نیت کے بھی درجات ہیں، مثال کے طور پر ایک شخص کا مقصودِ خالص ہی دکھانا ہو، عبادت کا قصد ہی نہ ہو، جیسے بلاوضو لوگوں میں نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا اور چپکے چپکے کھاتے رہنا، تو یہ تو سخت عذاب والی شکل ہے اور باقی تین شکلیں وہ ہیں کہ جب عبادت کی بھی نیت ہو۔

۱۔ عبادت کی نیت تو غالب اور اصل ہے اور تھوڑی سی ریا بھی شامل ہو گئی۔

۲۔ عبادت کی نیت مغلوب ہو اور غالب ریا کاری کی نیت ہو۔

۳۔ دونوں کی نیت برابر ہو، عبادت کی بھی اور لوگوں کو دکھلانے کی بھی۔

تینوں کے احکام "تبلیغِ دین" ص ۱۸۹ پر مذکور ہیں۔ بس ہمیں تو ہر قسم کی ریا سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

ریا کاری سے مشابہ چند شکلیں مگر وہ ریا نہیں ہیں

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر عبادت پر لوگوں کے مطلع ہو جانے سے خوشی اس بنا پر ہوئی کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے نیک عمل اور فعلِ جمیل ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعلِ قبیح پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا، محض اپنے فضل سے شانِ ستاری کا ظہور فرمایا، اگرچہ میں طاعت و معصیت دونوں میں سے کسی کا بھی اظہار نہیں چاہتا تھا، مگر خیر الحمد للہ لوگ مطلع ہوئے تو فعلِ جمیل ہی پر ہوئے، فعلِ شنیع پر نہ ہوئے۔

(۲) یا مثلاً اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھ سے اچھا ہی معاملہ فرمائے گا، کیونکہ دنیا میں ستاری فرمانا علامت ہے کہ آخرت میں بھی رسوائی سے بچائے گا۔

(۳) یا اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ جب لوگوں میں میرا یہ نیک عمل مشہور ہوا تو اب بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی ہمت ہو گی اور ان کے دلوں میں حوصلہ پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس دینی عمل کو اختیار کریں تو اس طرح یہ فعل دوسروں کی عبادت کا سبب بن جائے گا، تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جیسے مثال کے طور پر آج کل عام طور پر بہنوں کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی، تو اگر کسی شخص نے اس پر عمل کیا اور پھر اس کا لوگوں میں تذکرہ ہوا اور اس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ لوگ میرے اس عمل

کا تذکرہ کرکے میری تعریف کر رہے ہیں، تو اگر اس کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ چلو اچھا ہے اس کی برکت سے لوگوں میں دین کا ایک فریضہ زندہ ہوگا اور ہمارے دوسرے بھائیوں میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا اور وہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے تو اس صورت میں ان سارے لوگوں کے عمل کا ثواب بھی اس شخص کو برابر ملے گا۔

لیکن ٹھیک اسی صورتحال میں اگر لوگوں میں تذکرہ سن کر اس کو یہ خیال آئے کہ بڑی عمدہ بات ہے، اب لوگ خوب میری عزت کریں گے اور بڑی تعریفیں ہوں گی کہ اس گئے گذرے دور میں اس شخص نے میراث جیسے حکم کو زندہ کر دیا ہے، تو پھر یہ بے شک ریا ہے۔

اخلاص وریا کے پہچاننے کی ایک عجیب کسوٹی

اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک عجیب پہچان ذکر کی ہے اور وہ یہ کہ اگر اسی طرح کی عبادت کسی دوسرے شخص کی لوگوں میں مشہور ہو اور لوگ اس پر مطلع ہوں تو بھی اس اطلاع سے اس کو اتنی ہی خوشی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسروں کے مطلع ہونے سے ہو رہی ہے، کیونکہ کسی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کا اس عبادت میں رغبت وہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی ہو، دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ اخلاص وریا کو اس سلسلہ میں پرکھنے اور جانچنے کی یہ عجیب کسوٹی اور زبردست معیار ہے۔ اس میں آکر آپ بہت سے ظاہر میں اخلاص کی باتیں کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ اگر اپنا عمل مشہور ہوکر تعریفیں ہو رہی ہوں تب تو وہ بہت خوش ہیں، مگر جب دوسروں کی طرف سے لوگوں میں وہی باتیں مشہور ہو رہی ہوں تو ان کی طبیعت میں ایک طرح کی کڑھن اور بے چینی سی پائی جارہی ہے۔ یہ اخلاص نہ ہونے کی واضح علامت اور نشانی ہے۔

سلف صالحین ریا سے حفاظت کی خاطر عبادات میں بہت اخفاء کیا کرتے تھے

تنبیہ:- چونکہ ریا کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر چپکے چپکے حملہ کرکے

برا اثر ڈالتا ہے، لہٰذا متقدمین نے اس میں بہت کچھ احتیاط سے کام لیا ہے اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نگاہوں سے بے حد مخفی رکھا ہے۔اسی لئے سلفِ صالحین ؒ کے بڑے بڑے کارناموں اور عبادتوں کو چھپ چھپ کر کرنے کے قصے بڑی کثرت سے ملتے ہیں،اور پھر بھی وہ ڈرا کرتے تھے۔(خلاصہ تبلیغ دین:ص ۱۹۲)

تطییبِ قلبِ مرشد و مصلح عبادت ہے، ریا نہیں

ہمارے حضرت والاجناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل تقریر و بیان یا تلاوتِ قرآن وغیرہ اپنے استاذ یا مرشد یا کسی بزرگ کے سامنے اس لئے عمدہ انداز سے کر رہا ہے کہ اس کا دل خوش ہو جائے تو یہ ریا نہیں ہے۔جیسا کہ روایتِ حدیث میں موجود ہے۔(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج:ص ۱۴۳)

آگے اسی مضمون سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”التکشف“ سے ایک صحابی کا ارشاد نقل ہے، فرماتے ہیں کہ:

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ (لَوْ رَأَيْتَنِي الْبَارِحَةَ وَأَنَا أَسْمَعُ قِرَاءَتَكَ لَقَدْ أُعْطِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ) أخرجه الشيخان والترمذى، وزاد فى رواية البرقانى عن مسلم: لَوْ عَلِمْتُ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَّكَ تَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِي لَحَبَّرْتُهُ لَكَ تَحْبِيرًا.

ترجمہ:-حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم مجھ کو گذشتہ شب دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا،واقعی تم کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے۔روایت کیا اس کو بخاری و مسلم و ترمذی نے اور برقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ ؐ کی خاطر اس کو خوب ہی بنا تا سنوارتا۔(تیسیر:ص ۳۵۸)

(ف) مسئلہ ۔ ریا نبودن تحسینِ عمل برائے تطییبِ قلوبِ صلحاء

بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جاوے کہ مخلّی بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ ریا کا معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ تطییبِ قلبِ اہل اللہ بلکہ مطلق مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے لئے اچھی طرح کرتا ہے، اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے۔ حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے۔ (التکشف: ص ۳۶۷)

تطییبِ قلب مقصود ہے یا کچھ اور، یہ بات نیت پر موقوف ہے

تنبیہ:۔ احقر راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار نیت پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی خانقاہ میں رہ رہا ہے اور اپنے آپ کو ان کے سامنے خوب بنا سنوار کر رکھتا ہے، نمازیں ہوں یا تسبیحات، اوراد و وظائف، خوب توجہ اور انہماک کے ساتھ ان میں ہمہ وقت مشغول رہتا ہے، اور بعنوانِ تحدیثِ نعمت اور توفیقِ الٰہی بار بار ان باتوں کو اپنے شیخ سے بیان کرتا ہے، کبھی یہ کہ حضرتِ والا کی برکات کا کیا کہنا، اور خانقاہ کے درودیوار سے انوارات کی کیا ہی بارش ہے، جب سے آیا ہوں آج تک تہجد نہیں چھوٹی ہے، اور ایسا ہے اور ایسا ہے، وغیرہ وغیرہ کبھی بعض خواب اور کبھی اپنے دیگر احوال و کیفیات بیان کرتا ہے اور پھر شیخ اور ان کے معتقدین کے تعریفی کلمات سے دل دل میں خوب خوش ہوتا ہے۔

مگر دل میں ہے کہ اچھا ہو ذرا حضرت کی توجہ ہو تو خلافت مل جائے اور میں بھی جلدی سے اپنے علاقے میں جا کر ایک اپنی زبردست خانقاہ چلاؤں اور لوگوں کو مرید کر کے اپنا ایک حلقۂ اثر تشکیل دے لوں۔ اور خانقاہ میں آنے والے حضرت کے متعلقین ومتوسلین اور محبین ومعتقدین کی نگاہوں میں بھی کچھ میرے احترام واکرام کی فضا پیدا ہو جائے اور اس طرح بالآخر مدرسہ کے چندہ وغیرہ کے

سلسلہ میں بھی سہولت ہوجائے گی، کبھی کبھی ہدایا وتحائف ملیں گے، کبھی حج وعمرہ کے ٹکٹ سے نوازا جاؤں گا۔وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھئے!اس طرزِعمل کا تطییبِ قلبِ شیخ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ریا وخداع اور مکر ودھوکہ ہے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ریا کاروں کو "غرّارین" کہا گیا ہے۔آج یہ فتنہ خوب عام ہے۔اے مسلمانو!اللہ تعالیٰ کی ایسی ناپسندیدہ حرکتوں سے اپنے کو بچاؤ،ورنہ کہیں "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ" کی خطرناک صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ.

مخلوق کی زبانوں پر تعریفی کلمات کا آنا اچھی بات ہے،یہ ریا نہیں ہے

(۵)اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اس کو لوگوں کے اچھا یا برا کہنے کی کوئی پرواہ نہیں ہے، بلکہ ذہن کو مخلوق کے خیال سے بالکل خالی اور غیر اللہ سے مکمل صرفِ نظر کر کے اپنے اعمال وعبادات میں لگا ہوا ہے، اسے لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے اور ان کے مطلع ہونے نہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہے، مگر منجانب اللہ ایسی صورت پیش آئی کہ لوگ اس کی طاعات وعبادات پر مطلع ہو گئے اور ہر طرف اس کی تعریف ہونے لگی اور لوگوں کی زبانوں پر اس کے متعلق تعریفی کلمات آنے لگے، ہر شخص اچھے گمان کا اظہار کر رہا ہے، اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے، لوگوں میں اس کی محبت وعقیدت اور عظمت وشہرت عام ہو رہی ہے، تو اگرچہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک قسم کی ریا ہے، مگر حضور ﷺ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ:۔"تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" پوری روایت مسلم شریف میں اور ریاض الصالحین میں بھی آئی ہے کہ:۔

"قِيلَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ"

یعنی حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص پورے اخلاص کے ساتھ نیک اعمال کرتا

ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" کہ یہ تو مؤمن کو جلد یعنی دنیا میں ملنے والی بشارت ہے، مطلب یہ کہ اس کے نیک اعمال کا اس کو دنیا کے اندر انعام دیا جارہا ہے، اور آخرت کا انعام اس سے الگ ہے۔

اسی لئے قرآنِ کریم میں جہاں اولیاء اللہ کے لئے انعامِ خداوندی کا ذکر ہوا ہے تو اس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ" (یونس:٦٤) دنیا میں جو بشارت اولیاء اللہ کو ملتی ہے، اس کی ایک تفسیر مفسرین رحمہم اللہ نے "اَلثَّنَاءُ الْحَسَنُ" سے فرمائی ہے، (معارف القرآن:ج۴ ص۵۵۱ بحوالہ مسلم وتفسیر بغوی) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لئے دنیا میں بھی نیک نامی اور عزت رکھ دیتے ہیں اور ان کو ہر دلعزیز بنادیتے ہیں کہ ہر سلیم الطبع اور شریف مزاج والا آدمی ان سے محبت کرنے لگتا ہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں اور اکابر کے ساتھ یہ چیز خوب مشاہدہ میں آتی ہے۔

تنبیہ:- حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ "روح کی بیماریاں اور ان کا علاج" کتاب میں اس مقام پر بڑی قیمتی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نیک اعمال کر رہا ہے اور لوگ اس کی تعریف اور عزت کر رہے ہوں تو یہ خیال کر کے کہ کہیں یہ ریا تو نہیں ہے، اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ ریا نہیں ہے۔ یہی مضمون "تلبیس ابلیس ص۱۹۷" پر بھی موجود ہے۔

مخلوق کی خاطر عمل اور ترکِ عمل دونوں ریا ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک الفاظ یہ ہیں کہ:-

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ لوگوں کے دیکھنے کے خوف سے اپنا نیک عمل ہی چھوڑ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ محققین مشائخ نے فرمایا کہ نیک عمل جس طرح مخلوق کے لئے کرنا ریا ہے اسی طرح مخلوق کے خوف سے یعنی ریا کے خوف سے کسی عملِ خیر کا ترک کرنا بھی ریا ہے، پس

جس معمول کا جو وقت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے اُس کو اُسی وقت کرے، کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی ہر گز پر واہ نہ کرے۔ ریا ایسی بلا نہیں ہے جو بدونِ نیت اور ارادہ خود بخود کسی سے چمٹ جائے جب تک دکھاوے کی نیت نہ ہو اور نیت بھی غرض دنیا کی ہو تب ریا ہوتی ہے۔

اور اگر نیت تو رضائے حق کی ہو مگر دل میں وسوسہ آتا ہے کہ شاید اس عبادت سے ریا کاری کر رہا ہوں تو یہ وسوسہ ٔ ریا ہے جس کی ہر گز پر واہ نہ کرے اور نہ پریشان ہو، ورنہ شیطان وسوسہ ڈال کر اس عبادت اور عملِ خیر سے محروم کر دے گا، یعنی خوفِ ریا پیدا کر کے آپ کو اس عمل سے ہی روک دے گا۔

وسوسۂ ریا، ریا نہیں ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عجیب مثال دی ہے کہ آئینہ کے اوپر جب مکھی بیٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکھی آئینہ کے اندر بھی موجود ہے، حالانکہ وہ باہر بیٹھی ہوتی ہے۔ اِسی طرح سالک کے قلب کے باہر شیطان ریا کا وسوسہ ڈالتا ہے اور سالک سمجھتا ہے کہ ہائے یہ تو میرے قلب کے اندر ہے، پس اس کو ریا نہ سمجھے بلکہ وسوسہ ٔ ریا سمجھے اور بے فکری کے ساتھ کام میں لگا رہے۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آدمی آ گیا اور مجھے یہ حالت پسند آئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں دیکھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوہریرہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تیرے لئے دو اجر ہیں ایک اجر پوشیدہ کا اور ایک اجر علانیہ کا۔

(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: ص ۱۴۳ / ۱۴۴)

نیک کام میں لگے رہو اگر ریا بھی ہو گی تو بعد میں عبادت بن جائے گی

آگے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس نیک کام میں لگا ہے اس میں لگا رہے، ریا کے خوف سے ترک نہ کرے۔ اپنی نیت درست

کرے اور زبان سے بھی کہہ لے کہ یااللہ! یہ نیک عمل آپ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہوں۔ پھر اگر خدانخواستہ نفس کی شرارت سے یہ ریا بھی ہوگی تو چند دن میں یہ عبادت بن جائے گی۔ اِسی مضمون کو خواجہ صاحبؒ نے اس شعر میں فرمایا ہے:

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن　　　پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

اپنے عمل سے عزت چاہنا منع ہے
اللہ تعالیٰ سے لوگوں میں عزت مانگنا منع نہیں ہے

اِسی طرح ایک بات ریا کے تعلق سے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے لوگوں کی نگاہوں میں عزت مانگنا منافیٔ اخلاص نہیں ہے، یعنی اپنے نیک عمل کے ذریعہ سے مخلوق کی نگاہ میں باعزت بننے کی کوشش اور اس کی تمنا و چاہت رکھنا یہ تو ریا ہے، یا ان سے جاہ و مقام اور شہرت و دولت کے حصول کے لئے کوئی نیک کام کرنا یہ بھی ریا ہے، لیکن اگر کوئی بندہ اپنا نیک عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہا ہے اور اللہ عزوجل ہی سے دعا و درخواست کرتا ہے کہ آپ مجھے لوگوں کی نگاہوں میں عزت دے دیجئے اور آپ مجھے لوگوں کے دلوں میں محبوبیت عطا فرمادیجئے اور مخلوق کے قلوب کو میری طرف متوجہ فرمادیجئے تو اس قسم کی دعا کرنا اخلاص کے منافی نہیں ہے، اور نہ یہ حب جاہ کا حصہ ہے، بلکہ یہ بارگاہِ رب العزت میں مطلوب ہے، اور دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ یہ شخص اپنے عمل کے ذریعہ اس کو نہیں چاہ رہا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سبھی کو اپنی راحت و عزت کی چیزیں مانگنی چاہئے، یہ تو عین بندگی ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریات و اولاد کو جب بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑا کہ جہاں جینے کا کوئی ظاہری سہارا اور ساز و سامان نہیں تھا تو اس وقت یوں دعا فرمائی تھی "فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ" (ابراہیم:۳۷) کہ اے اللہ! آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ فرمادیجئے۔

اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْراً وَّ فِیْ أَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْراً" (مسند بزار:۱۰/۳۱۵) اے اللہ! آپ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دیجئے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دیجئے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ:-

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِلَیْکَ رَبِّ فَحَبِّبْنِیْ وَفِیْ نَفْسِیْ لَکَ رَبِّ فَذَلِّلْنِیْ وَفِیْ أَعْیُنِ النَّاسِ فَعَظِّمْنِیْ وَمِنْ سَیِّئِ الْأَخْلَاقِ فَجَنِّبْنِیْ. (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال)

یعنی اے اللہ! مجھے آپ اپنی محبت عطا فرما دیجئے، اور مجھے میری اپنی نگاہ میں کمتر بنا دیجئے اور لوگوں کی نگاہ میں عظمت وعزت عطا فرما دیجئے اور برے اخلاق سے مجھے بچایئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ سے یہ چیزیں مانگی جائیں تو پھر یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے اور اس کو حب جاہ نہیں کہا جائے گا۔

لوگوں میں شہرت ومقبولیت کی وجہ سے نیک عمل چھوڑنا نہیں چاہئے

فائدہ:- میرے مسلمان بھائیو! سچ عرض کرتا ہوں کہ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کی باتیں اور ان کے اقوال وارشادات بڑی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کی باتیں مان کر ان کے مشوروں پر چلتے ہیں کامیاب ہوجاتے ہیں اور جلد ہی منزلِ مقصود تک پہونچ جاتے ہیں اور جو لوگ خود رائی کی بیماری میں گرفتار رہتے ہیں وہ بھٹکتے رہتے ہیں اور ان کو منزل ہاتھ نہیں آتی ہے۔

یہ بات احقر اس لئے عرض کررہا ہے کہ بہت سے لوگوں کو احقر نے دیکھا ہے کہ وہ مختلف نیک کاموں کو شروع کرتے ہیں اور پھر جب لوگوں میں اپنا نام اور شہرت دیکھتے ہیں تو یہ کہہ کر ان نیک کاموں کو چھوڑ دیتے ہیں کہ بھائی میں محسوس کررہا ہوں کہ میرے اندر ریا کاری اور بڑائی آتی جارہی ہے۔ ابھی تک

میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، کیونکہ جیسا اخلاص اس کام کے کرنے والے میں ہونا چاہئے وہ مجھے اپنے اندر نظر نہیں آرہا ہے، اور بس اِس وسوسۂ ریا کاری سے وہ ان تمام نیک کاموں اور دینی خدمتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور یوں شیطان کے شکار بن کر اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے طور پر وہ اپنے اس فیصلہ کو بڑے تقویٰ اور نیکی کی بات سمجھتے ہیں۔ بعضوں کو میں نے اس قسم کے جملے کہتے ہوئے سنا کہ وہ بڑے فخر سے اور گویا اپنا کمالِ اخلاص سمجھتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں تو وعظ و بیان نہیں کرتا ہوں اور نہ کہیں کسی بھی اسٹیج پر تقریر کرتا ہوں، کیونکہ میں اپنے کو ابھی ایسا نہیں سمجھتا ہوں کہ میں بغیر ریا کاری کے کوئی تقریر و بیان یا تعلیم و تدریس کرسکوں۔ احقر نے اپنی زندگی میں بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں۔ بالآخر پوری عمر گذر گئی کہ وہ ساری صلاحیتوں کے باوجود کوئی خاص دینی کام انجام نہ دے سکے۔

میرے بھائی! اس نکتہ کو کبھی نہ بھولنا کہ عمل اور ترکِ عمل دونوں میں سے کسی بھی پہلو کو مخلوق کی طرف نظر کرکے اختیار کرنا ریا کاری ہے۔ ریا صرف عمل میں نہیں ہوتی، بلکہ مخلوق کی وجہ سے ترکِ عمل بھی ریا ہی ہے۔

ایسا کوئی نہیں ہوتا ہے کہ اول دن ہی سے اس کو کمالِ اخلاص حاصل ہوجاتا ہو۔ بس ہمیں تو چاہئے کہ عمل میں لگ جائیں اور کمالِ اخلاص کے حصول کے لئے اسباب اختیار کریں اور اپنا محاسبہ کرتے رہیں، نہ یہ کہ ان اعمال ہی کو چھوڑ بیٹھیں۔

پہلے ماں کے پیٹ میں جسم تیار ہوتا ہے پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے، پھر ایک جسم و روح سے تیار شدہ کامل و مکمل اعضاء والا انسان دنیا میں موجود ہوجاتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے اعمال کے وجود کو اور ان کی شکل کو صحیح طرح انجام دیں اور پھر شدہ شدہ روحِ عمل جو کہ اخلاص وللّٰہیت ہے اپنے وقت پر انشاء اللہ وہ بھی حاصل ہو ہی جائے گی۔ یہی وہ بات ہے جو اِس شعر میں کہی گئی ہے۔

وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن　　　پہلے عادت پھر عبادت ہو گئی

حاصلِ گفتگو

خلاصہ یہ کہ صحیح طریق یہی ہے کہ عمل و ترکِ عمل دونوں میں مخلوق سے بالکل صرفِ نظر کر کے اپنا فریضۂ طاعت و عبادت انجام دیتے رہیں، یہی سلامتی والا راستہ ہے اور یہی اصول شیطانی چالبازیوں اور مکاریوں پر پانی پھیر کر اس کو ناکام بنانے والا ہے اور اسی طرح راہِ سلوک وتصوف پر چل کر انسان ایک دن اولیاء اللہ کے اونچے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

أَجْرُ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ — پوشیدہ اور علانیہ کا اجر

ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ:-

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ فَإِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ أَعْجَبَهُ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ أَجْرَانِ أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ. (سنن ترمذی، باب عمل السر: ۵۹۴/۴)

یعنی خلاصہ یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کوئی نیکی کا کام کرتا ہے اور اس کو اس سے خوشی ہوتی ہے، پھر جب اس پر بعض لوگوں کو اطلاع ہوتی ہے یعنی اس کی نیکی کی لوگوں میں خبر پھیلتی ہے تو اس کو یہ بات اچھی لگتی ہے تو ایسے شخص کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے دو اجر ہیں، کھلم کھلا نیکی کرنے کا بھی اور چھپ کر کرنے کا بھی۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اوپر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالتِ نماز میں کسی شخص کی آمد پر خوش ہونے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "لَكَ أَجْرُ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ"۔ جہاں تک نیکی سے خوش ہونے کا تعلق ہے تو اس کو اللہ کا انعام اور فضل سمجھے اپنا استحقاق نہ سمجھے تو یہ خوشی ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔

اہم نکتہ:- حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے اور دراصل اس نکتہ کا بیان کرنا اس پر ظاہری نظر میں پیدا ہونے والے اعتراض کا جواب ہے۔اس کو بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

نیک عمل پر لوگوں کے مطلع ہونے سے خوش ہونا ریا ہے یا نہیں؟

(۱) خلاصہ پوری گفتگو کا یہ ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے کسی نیک عمل پر مطلع ہونے سے خوش ہونا اگر اس خیال ونیت سے ہو کہ شکر ہے حق تعالیٰ کا کہ لوگ میرے نیک عمل اور طاعت وعبادت پر مطلع ہوئے ہیں، جس کی بدولت احقر سے متعلق لوگوں کا اچھا گمان اور حسنِ ظن قائم ہوا، اور انسانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اللہ فی الارض قرار دیا ہے، یعنی جس بندہ کے متعلق اللہ کے بندے اچھا گمان وخیال رکھتے ہیں تو اللہ عزوجل ان کے اس حسنِ ظن کا خیال کر کے اس کی بخشش فرمادیتے ہیں تو اس لحاظ سے وہ اپنے لئے اللہ عزوجل سے اس کے کرم ومغفرت کی امید باندھ سکتا ہے۔اس لحاظ سے یہ لوگوں کی نیکی پر اطلاع خوشی کا سبب ہے اور پسندیدہ ہے اور اللہ عزوجل سے رجاء وحسن ظن کا ذریعہ ہے جو کہ خود عبادت ہے۔

(۲) یا اسی طرح وہ توجیہ جو اوپر گذری ہے کہ اس موقع پر بندہ دل دل میں اللہ کا شکر گذار ہوتا ہے کہ شکر ہے تیرا اے خدا تو نے میری ستاری فرمائی اور لوگوں کو میرے عیوب پر مطلع نہیں کیا اور اس سے اسے امید قائم ہو جاتی ہے کہ انشاء اللہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی ستاری فرمائیں گے۔

(۳) بعض حضرات اس لحاظ سے لوگوں کی اطلاع پر خوشی کو عبادت قرار دیتے ہیں کہ اس کے دل میں یہ بات ہے کہ بہت اچھا ہوا لوگوں کو معلوم ہوا تو اب وہ بھی اس عمل میں میری اقتدا کریں گے اور اس طرح میرے لئے قیامت میں خود میرے عمل اور تمام عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا۔یہ بھی ایک اچھی توجیہ ہے۔تو اس لحاظ سے اسے خلوت میں مکمل یکسوئی واخلاص کے ساتھ عمل کا ثواب بھی ملا اور علانیہ عمل

کر کے لوگوں میں تشویق وتشجیع کا ثواب بھی ملا، تو یہ بھی "أَجْرُ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ" کا مصداق ہے۔

تنبیہ:- لیکن اگر کوئی شخص اس لئے خوش ہوتا ہے کہ واقعی بڑا اچھا ہوا لوگوں کو علم ہوگیا اب تو وہ میرا بڑا اکرام واعزاز کریں گے اور لوگوں میں خوب میری عزت ہوگی اور تعظیم وتکریم اور قدر و منزلت بڑھ جائے گی تو پھر یاد رکھنا چاہئے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صاف صاف فرماتے ہیں کہ یہ ریا ہے جو کہ اس نیکی کو برباد کرنے والی اور کھا جانے والی ہے۔ (سنن ترمذی، باب عمل السر: ۵۹۴/۴)

فائدہ:- اس حدیث شریف سے ریا کاری کے ان درجات پر بھی روشنی پڑتی ہے جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔ اس میں ایک درجہ یہ بھی ہے کہ نیکی وطاعت سے فارغ ہونے کے بعد جب لوگوں کو اطلاع ہو تو اس پر دل دل میں خوش ہو رہا ہو کہ اب میرا اعزاز واکرام ہوگا۔ اچھا ہوا میرا بیان و وعظ اور میری تصنیف وتالیف فلاں صاحب کے ہاتھ میں آگئی اب تو میں ان کی نگاہوں میں بہت معزز ومحترم ہوجاؤں گا، تو یہ سب ریا کاری ہے، کیونکہ گویا اپنے عمل کے ذریعہ اپنی تعظیم وتکریم چاہی، اور یہی غیر اللہ کو چاہنا ہے جس کو ریا کہتے ہیں۔

❁❁❁

اللہ کے یہاں مقبول وپسندیدہ عمل
کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت وسنت کے مطابق ہو، اور کرنے والے
کے دل میں اخلاص، یعنی صرف اللہ کی رضا کا ارادہ وجذبہ ہو۔
(از افادات محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ)

اخلاص وریا کے لحاظ سے حالاتِ حاضرہ میں اپنا ایک جائزہ

بعض اہلِ بصیرت کا قول ہے کہ
"اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہوجائے تو نجات
مل جائے گی۔" (تبلیغ دین: ص ۲۵۷)

اخلاص و ریا کے لحاظ سے حالاتِ حاضرہ میں اپنا ایک جائزہ

قارئینِ کرام! اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اخلاص و ریا کاری کے متعلق اجمالی طور پر تقریباً تمام ہی مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اخلاص والے اعمال کو قبول نہیں فرماتے ہیں، مگر کس طرح بعض اعمال میں ہمارے دل کے اندر غیر شعوری طور پر ریا شامل ہو جاتی ہے، اس کا ایک مختصر سا جائزہ لینے کے لئے جی چاہتا ہے کہ ہماری زندگی میں پیش آنے والے مختلف مواقع اور مراحل کے کاموں کے سلسلہ میں اخلاص و ریا کاری کی بعض شکلیں قدرے وضاحت کے ساتھ اس رسالہ میں بیان کر دی جائیں، تاکہ ذہن ادھر متوجہ ہو سکے اور ہم ریا کاری کے ذریعہ شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جائیں اور زیورِ اخلاص سے آراستہ ہو سکیں۔ یہی اس کتاب کے لکھنے کا بنیادی مقصود ہے۔

اس بات کا سمجھنا بہت ضروری ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں شیطان کس طرح ہمیں ریا کاری کے ذریعہ شکار کرتا ہے اور ہمارے نیک اعمال کی کھیتی کو جلا کر راکھ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اخلاص کی طلب میں ہے، مگر اس کو ریا کاری کی شکلیں معلوم نہ ہونے کے سبب منزل نہیں مل پا رہی ہے اور پوری عمر بظاہر دین کی خدمتوں میں لگے رہنے کے باوجود ولایت و قربِ الٰہی کی منزل ابھی تک نظروں سے دور، بلکہ گم دکھائی دے رہی ہے۔ سو آیئے ہم ترتیب وار ریا کے تمام مواقع اور کیفیات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

مقابلۂ حسنِ قراءت کے جلسوں میں شرکت

آج کل مقابلۂ حسنِ قراءت کے بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں۔ اگر یہ جلسے شرعی حدود میں رہ کر صحیح طریقہ پر کئے جائیں تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ قراء کرام کی عمدہ قراءتوں کو سن کر لوگوں میں قرآنِ کریم صحیح پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا اور قرآن کی تلاوت نہایت عمدہ ترتیل کے ساتھ کرنے والے اور سننے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بڑے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائیں گے، کیونکہ حدیثِ پاک میں باقاعدہ اس کا حکم دیا گیا ہے "زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ" (بخاری) یعنی خوب عمدہ آواز کے ساتھ قرآن پڑھو۔

اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ "حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا" (سنن دارمی) یعنی قرآنِ کریم کو خوبصورت آواز میں پڑھو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن پاک کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، لیکن اگر کسی قاری کی نیت اپنی تلاوت کی عمدگی اور حسنِ صوت سے یہ ہو کہ اس مجلس کے شرکاء کی نگاہوں میں میری عظمت و وقعت پیدا ہوجائے اور لوگوں میں میرا اچھا سا تعارف ہوجائے اور ہر طرف سے میری تلاوت کی تعریف ہو، جس کے نتیجہ میں میری خوب آؤ بھگت ہو اور مجھے اطرافِ عالم میں بلایا جانے لگے، صاحبِ دولت وثروت اور اربابِ حکومت وسلطنت کی نگاہوں میں میری قدر وعظمت پیدا ہوجائے تو پھر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ریا کاری ہے جو سخت گناہ اور عذاب کا باعث ہے۔

قاری کی قراءت میں ریا کی بعض علامات

اور اس ریا کاری کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ یہی قاری صاحب جو اس وقت جلسہ کے موقع پر قرآن کریم خوب بنا سنوار کر بڑے عمدہ انداز سے پڑھ رہے ہیں، جب تنہائی میں یا چھوٹے موٹے ہلکے پھلکے مجمع میں ہوتے ہیں تو اس وقت تلاوت کی یہ نوعیت نظر نہیں آتی ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ مقصود کچھ اور رہے، ورنہ اگر اللہ کی رضا مقصود ہوتی تو پھر ہر جگہ ہر موقع پر اپنے خالق ومالک کو راضی کرنے کے لئے عمدہ سے عمدہ انداز میں پڑھنا چاہئے۔ یہی اخلاصِ نیت کا مُقتضیٰ ہے کہ ہم دل سے فقط اللہ تعالیٰ کو سنانا اور دکھانا چاہیں۔

یا پھر جب اسے اس طرح کے جلسوں اور قراءت کے مقابلوں میں بلایا جاتا ہے تو اس کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ کہاں منتظم کمیٹی اہلِ دولت وثروت حضرات کی ہے اور ان کی طرف سے ہدیہ کے عنوان پر جو کچھ ملتا ہے وہ کہاں بڑی رقم ہوتی ہے اور کہاں کم ہوتی ہے، اور کہاں ہدایا وغیرہ زیادہ ملتے ہیں اور کہاں کم، کہاں دعوتیں اچھی ملتی ہیں اور کہاں ہلکی پھلکی۔

یا یہ کہ کس مقام پر جانے سے ریڈیو وغیرہ اور دوسرے ذرائع ابلاغ واشتہارات پر میری تلاوت کی شہرت زیادہ ہوگی اور کہاں کم؟ وغیرہ وغیرہ نیتیں کرنا۔

اگر کسی بھی جلسہ اور مقابلہ قرأت کے پروگراموں میں شرکت کرتے وقت اپنی تلاوت کے پیشِ نظر مذکورہ بالا وجوہِ ترجیح میں سے کوئی وجہِ ترجیح غالب ہوئی تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خالص ریا کاری و دنیاداری ہے۔ یہ تلاوت و قراءت لوجہ اللہ نہیں ہے۔

معزز حاملینِ قرآن سے ایک دلی درخواست

اسی لئے اے میرے معزز حاملینِ قرآنِ کریم اور قابل قدر قراء کرام بھائیو !اگر اس قسم کی عمومی محفلوں اور قراءتِ قرآنِ کریم کے جلسوں میں شرکت کرنی ہو تو ضرور کیجئے، لیکن اس نیت سے کیجئے کہ اللہ عزوجل کے عظیم الشان کلام کو پوری عظمت و ادب اور تعظیم و تکریم کے ساتھ حتی الوسع اپنی پوری طاقت و قدرت کے مطابق عمدہ کر کے تلاوت کروں گا، تاکہ اس کلام کی عظمت و ہیبت سے دل کانپ اٹھیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، اور پوری فضائیں قرآنِ کریم کی تلاوت کے انوار سے منور ہوتی رہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا نام بلند ہو اور ہر طرف اس کی گونج کانوں کو سنائی دے اور خود آپ کے لئے کل قیامت کے دن وہ زمین اور وہاں کے در و دیوار گواہی پیش کریں، جیسا کہ قرآن و حدیث میں یہ بات آئی ہے، اور لوگ قرآنِ کریم کی حسنِ تلاوت کو سن کر خوش ہوں اور میں اللہ کے اہلِ ایمان بندوں اور اس کے اولیاء و علماء و صلحاء کے دلوں کو خوش کر کے ان سے دعائیں لوں کہ تطییبِ قلوبِ اولیاء و تنشیطِ قلوبِ صالحین و مسلمین کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل عبادت قرار دیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ لوگوں میں اسی انداز سے خود قرآنِ کریم پڑھنے اور اپنے بچوں کو پڑھانے کا شوق پیدا ہو اور اس طرح یہ سارا کا سارا میرے لئے صدقۂ جاریہ بنے اور اللہ عزوجل خوش اور راضی ہوں، اور میں آخرت میں اس پر عند اللہ مستحق اجر و ثواب قرار پاؤں۔

اس طرح کے مخلصین کے اخلاص کی علامات اور نشانیوں میں سے منجملہ ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی تنہائیوں کو بھی قرآنِ کریم کی عمدہ تلاوتوں سے منور اور روشن رکھتے ہیں اور وہ صحیح معنی میں اَهْلُ الْقُرْآنِ اور اَصْحَابُ اللَّيْلِ ہونے کا حق ادا کرتے ہیں۔ راتوں کو تنہائی کے خاص اوقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت ان کا محبوب ترین مشغلہ ہوا کرتا ہے۔

یہ باتیں ہمارے اخلاص کے منافی ہیں

نہ یہ کہ ایک طرف تو جلسوں میں بہت عمدہ تلاوتیں، اور دوسری طرف یہ صورتحال کہ فجر کی نماز بھی جماعت سے غائب کر دیں اور بجز محفلوں اور مجلسوں اور عمومی جلسوں کے تلاوتِ قرآن سے کوئی خاص تعلق نہ ہو، اور اگر ہو بھی تو بڑی تیز رفتاری اور بے ڈھنگے پن اور بے توجہی سے تلاوت کرنے کی عادت ہو۔

یا اسی طرح جب کوئی دوسرے قاری ہماری تلاوت سے اچھی تلاوت کرنے والے ہوں اور لوگ ان کی تعریف کرتے ہوں اور ان کی طرف متوجہ ہو کر واہ واہ کرتے ہوں اور ادھر ہماری طرف زیادہ لوگوں کا رجوع نظر نہیں آرہا ہے تو اب ہمارے دل کے اندر ایک طرح کی پریشانی اور کسک محسوس ہو رہی ہے اور اس شخص پر یک گونہ غصہ اور نفرت سی ہو رہی ہے، طبیعت اس کی طرف سے ایک طرح کی گھٹن سی محسوس کر رہی ہے، تو یہ دلیل ہے کہ ہم مخلص نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر ہم مخلص ہوتے تو ہمیں اس بات سے اور خوشی ہوتی کہ الحمد للہ ہم سے اچھا اللہ کا کلام پڑھنے والا موجود ہے، اور جس طرح ہم اپنی تلاوت کی عمدگی سے لوگوں کو فائدہ پہونچنے پر خوش ہو رہے تھے اسی طرح دوسروں سے وہ منافع پہونچنے پر خوش ہونا چاہئے تھا۔

یا پھر کبھی ایسا دیکھا جاتا ہے کہ بعض قاری حضرات اس سال جس جلسہ میں شرکت کے لئے گئے تو گو کہ بلانے والے بڑے مخلصین اور بڑے ہی قدر دان اور عزت کرنے والے اور حقیقی طلب رکھنے والے، یعنی طالبین صادقین حضرات ہیں کہ جنہوں نے واقعی یہ مقابلہ حسنِ قراءت صحیح مقاصدِ دینیہ کے لئے منعقد کیا تھا کہ وہاں کے لوگوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم سے اور اس کے پڑھنے پڑھانے سے رغبت اور شوق پیدا ہو، مگر یہ جید قاری آئندہ سال سے وہاں صرف اس لئے شریک نہیں ہوئے کہ ان کو جلسہ میں لے جانے کے لئے اچھی عمدہ گاڑی اور رہنے سہنے اور کھانے پینے کے لئے کوئی اچھا معقول انتظام نہیں کیا گیا تھا، یا پھر واپس آتے وقت جو ہدیہ وتحفہ دیا گیا وہ بھی ان کی شان سے بہت ہی کم تھا۔ اس لئے اب آئندہ سال کے لئے وہاں نہ جانے کا فیصلہ اپنی ڈائری میں تحریر کر ڈالتے ہیں۔

فائدہ:- یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کی مذکورہ بالا خراب نیتوں میں سے کوئی بھی نیت کر لینے

کی صورت میں یہ شخص اللہ کی بارگاہ میں مخلص قرار نہیں پائے گا اور قراءتِ قرآنِ کریم کے فضائل کا مستحق ہونے کے بجائے خطرہ ہے کہ وعیدوں کا مستحق قرار دے دیا جائے۔

مقابلۂ حسنِ قراءت کے جلسوں کے منتظمین میں اخلاص وریا حدودِ شریعت کی رعایت اور صحیح نیت کے ساتھ یہ جلسے منعقد کرنے والے قابل مبارکباد ہیں

ایسے لوگ بڑی مبارکبادی کے لائق ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ ہر دور میں حالات کے اعتبار سے دین کو زندہ رکھنے کی مناسب تدابیر ڈالتے ہیں اور پھران کو اس کی ہمت وتوفیق عطا فرماتے ہیں، جیسے کہ انہیں تدابیر میں سے ایک تدبیر قرآنِ کریم کی تعلیم اور صحیح تلاوت وقراءت کو مسلمانوں کے درمیان رواج دینا ہے اور اس کو عام کرنے کے لئے یہ حسنِ قراءت کے جلسے ہیں، یہاں پھر سے یہ قید بڑھاؤں گا، جبکہ ان کو شرعی حدود کا خیال رکھ کر اخلاص کے ساتھ منعقد کیا جائے۔ اس طرح اخلاصِ نیت سے ان جلسوں اور محفلوں کا انعقاد ایک بہت ہی اچھا کام اور قرآنی تعلیم وترویج کے لئے موجودہ زمانہ کے اعتبار سے بڑا مفید اور نافع اقدام ہے، اور ظاہر ہے کہ اس جلسہ میں شرکت کی بدولت جو لوگ قرآنِ کریم کو صحیح پڑھنے اور بچوں کو پڑھانے کے لئے فکرمند ہوں گے اور ان کے دلوں میں اس کی اہمیت ورغبت اور شوق پیدا ہوگا تو ان سب کا اجر وثواب اس طرح کے پروگرام منعقد کرنے والوں اور اس کیلئے کسی بھی طرح کی مدد کرنے والوں کے حصے میں جائے گا اور پھر اس کے نتیجہ میں جو حفاظ اور قراء ومجوّدین تیار ہوں گے ان کے ذریعہ جتنا اس راہ میں دینی خدمت کا کام ہوگا وہ سب کا سب ان منتظمین کے لئے صدقۂ جاریہ ہوجائے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم اپنی صلاحیتیں اور کچھ مال ودولت اس پر خرچ کر کے اللہ عزوجل کے کلام کے لئے جو محنت کریں گے تو اس سے حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہوگی، جو کہ مومن کی زندگی کے ہر نیک عمل کا اصولی اور بنیادی مقصد ہے، اور یہی مقصد اگر ہر عملِ صالح کے پیچھے ہو تو وہ اخلاص کہلاتا ہے، ورنہ بدون اس کے سب کچھ بے کار اور تضییعِ حیات ہے۔

اس لئے اے میرے قابل احترام منتظمین جلسہ! جب اس طرح کا کوئی دینی کام کرنے چلو تو ضرور سب سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لےلو تا کہ کل قیامت کے دن صحیح معنی میں پورے پورے اجر و ثواب کے مستحق قرار دیئے جاؤ، ورنہ بصورتِ دیگر بڑے خطرناک اور افسوسناک حالات اور برے انجام کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس وقت بجز پچھتانے اور افسوس کرنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اس لئے غور فرمالیجئے کہ کہیں دل کے اندر کسی کونہ میں یہ مقصد تو نہیں چھپا ہوا ہے کہ چلو ذرا اس سال ہم بھی فلاں کی طرح ایک مقابلۂ قراءت کا جلسہ رکھتے ہیں اور خوب دور دور سے ملک کے مشہور ترین قراء کرام کو دعوت دیں گے اور خوبصورت رنگ برنگے بڑے بڑے اشتہارات چھپوا کر دور دور تک خوب پھیلائیں گے اور ایسے نامور قراء کرام کو بلائیں گے کہ جن کو سننے کے لئے خوب بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوں، اور اگر ایسے حضرات بیرونِ ملک میں ہوں تو وہاں سے بھی ان کو دعوت دے کر ان کے مصارف برداشت کر کے ان کا پورا انتظام کریں گے اور پھر ان مشہور حضرات کے اسمائے گرامی خاص طور پر اشتہار میں بڑے خوب صورت انداز میں نمایاں طور پر چھاپیں گے۔

حسنِ قراءت کے جلسے منعقد کرنے کی فاسد نیتیں

اگر ان جلسوں کے منعقد کرنے کے مقاصد یہ ہوں کہ:-

(۱) ہم بھی فلاں مدرسہ اور ادارے والوں کی طرح پورے علاقہ میں خوب پہچانے جائیں، عزت کئے جائیں اور یہ جلسہ ہمارے لئے اچھا تعارف کا ذریعہ ہو جائے، اور ہر شخص کی زبان ہماری اور مدرسہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔

(۲) ہمارے مدرسہ کا اس بہانے سے کچھ تعارف ہو جائے تو لوگ پھر وقت پر آسانی کے ساتھ چندہ دے سکیں، ورنہ تعارف میں بڑی دشواری ہوتی ہے، لہٰذا یہ بڑی اچھی اور سہولت والی صورت ہے کہ محفلِ قراءت کے ذریعہ اپنے مدرسہ کا تعارف کراؤ۔

(۳) یا اس لئے کہ چلو اس بہانہ سے کچھ مالدار مسلمانوں سے قرب ہو جائے گا اور علاقہ کے

کچھ بڑے دولت ومنصب والے حضرات جن کی وقتاً فوقتاً مدرسہ کو ضرورت پڑتی رہتی ہے ان سے نزدیکی حاصل ہوجائے گی۔

(۴) یا یہ کہ اس بہانے کم سے کم اپنے مدرسہ کی کچھ ایسی اچھی کارکردگی جو کہ وقتی وجزئی طور پر چند طلبہ کو تیاری کرانے کی صورت میں ہوگی یہ بھی سامنے آجائے گی، تو علاقہ کے لوگ مطمئن ہو جائیں گے کہ ماشاءاللہ مدرسہ میں بڑے اچھے اچھے طلبہ تیار ہورہے ہیں، جوکہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، جو آج کل مدارس کے جلسوں میں عام ہورہا ہے کہ حقیقت میں تعلیم برائے نام ہوتی ہے مگر دو چار لڑکوں کو خوب عمدہ تیاری کراکر پیش کردیا جاتا ہے اور اس سے یہ تأثر دینا ہوتا ہے کہ دیکھو اِن طلبہ سے ہمارے یہاں کی تعلیم وتربیت کا اندازہ لگاؤ۔

(۵) یا پھر اس بہانے ملک وبیرونِ ملک کے بہت سے دولتمند ہمیں اچھی مقدار میں چندہ دیں گے تو اس طرح ہمارا اپنا یہ چندہ اور پیسوں والا مقصد حاصل ہوگا اور پھر اس پیسہ کو اپنے قراء دوستوں اور متعلقین پر خرچ کرکے ان سے ربط وضبط مستحکم اور مضبوط ہوسکے گا اور ان کی نگاہوں میں ایک وقعت بھی ہوگی اور پھر ہمیں بھی اس قسم کے قابل شہرت موقعوں میں ان کی طرف سے بلایا جائے گا۔

(۶) یا اس کے ذریعہ اپنے علاقہ میں اپنی ایک سرداری وبڑائی اور دینی اعتبار سے مقتدا ہونے کی شان کو منوانا اور لوگوں کو یہ تسلیم کرانا ہے کہ اے لوگو! دیکھ لیا؟ ہم کتنے بڑے بڑے پروگرام کررہے ہیں، فلاں اور فلاں ہمارے سامنے کیا ہیں؟ گویا زبانِ حال سے کہنا چاہتے ہیں کہ دینی سلسلہ میں ہماری قیادت وسیادت اور بڑائی کو تسلیم کرلو۔ وغیرہ وغیرہ۔

اگر اے میرے بھائیو! اس قسم کی نیتیں ہوئیں تو سمجھ لو کہ اخلاص کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے اور پھر یہ سارا کا سارا کیا ہوا روزِ قیامت بھیانک اور خطرناک انجام کا پیش خیمہ ہوگا۔

ان جلسوں کے منتظمین میں اخلاص کی ایک خاص پہچان

اور احقر ایک خاص پہچان اور علامت ونشانی عرض کرتا ہے کہ اگر ہم واقعی ان مقابلۂ حسنِ قراءت

کے جلسوں کے انعقاد میں مخلص ہیں تو پھر ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ اگر کوئی اور ادارہ و جماعت اور تنظیم و تحریک کے لوگ اسی پروگرام کو ہمارے علاقہ میں بڑی عمدگی کے ساتھ کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت ہمیں دل میں خوشی محسوس ہوتی ہے یا ذرا گھٹن اور چبھن سی دل میں ہونے لگتی ہے ، کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ آپ کو اب یہ لگ رہا ہے کہ ارے یار! یہ علاقہ میں چمکنے اور لوگوں میں باعزت بن کرا بھرنے کا ہمارا آئیڈیا اور ہماری سوچ تھی، یہ انہوں نے کیوں اختیار کی؟ کیوں آخر یہ دوسرے لوگ اب اس میں آگے بڑھ رہے ہیں؟ یہ تو ہمارا بڑا نقصان ہو گیا۔ برسوں کی کی کرائی محنت اب بیکار ہو گئی ہے۔

بالآخر ان سے ناراضگی اور ان کے خلاف باتیں کرنا اور ان کے بالمقابل ایک پورا محاذ بنا ڈالنا کہ کیوں تم نے ایسا کیا؟ تمہاری جرأت کیسے ہوئی؟ یہ تو ہم کیا کرتے تھے۔ تم نے یہ کیوں کیا؟ ہمارے سارے لوگوں کو تم نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہم تمہیں سبق سکھائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ دل میں اور خوشی ہوتی کہ چلو ماشاء اللہ بہت سے دوسرے ہمارے بھائی بھی قرآنی تعلیم کو رواج دینے کے لئے میدان میں آ گئے ہیں تو اب اور زیادہ قرآن کی تلاوت و قراءت کی تحسین و ترتیل لوگوں میں زندہ ہو گی۔ جس طرح ایک جنازہ کو لے کر چلنے والے چار آدمی اگر دیکھیں کہ مزید دوسرے چار اور آ گئے ہیں تو ان کو خوشی ہوتی ہے، رنج و غم اور صدمہ نہیں ہوتا ہے۔

مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں اخلاص وریا

آج کل کے جلسوں کے متعلق بس کیا عرض کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ غیر شرعی باتیں تو بہت سی ہیں جو عرض کرنی چاہئیں، مگر یہاں اس کتاب میں بس کتاب کے موضوع سے متعلق ہی عرض کرتا ہوں اور وہ موضوع اخلاص وریا کاری کا ہے، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ دینی جلسوں اور اجتماعات سے اصل مقصود کیا ہونا چاہئے؟ اور کیا نہ ہونا چاہئے؟

جلسے منعقد کرنے کی صحیح نیت

اصل مقصود یہ ہونا چاہئے کہ ان جلسوں کے ذریعہ شرکائے جلسہ اور حاضرینِ اجلاس کو اللہ کے دین کی باتیں پہونچائی اور بتائی جائیں گی اور دین کے سلسلہ میں تذکیر ونصیحت اور ایمان ویقین کی باتیں اور دین کے بھولے ہوئے سبق کی یاددہانی کرائی جائے گی اور لوگوں میں ایمانی جذبہ اور دینی روح پھونک کر ان کے ایمان کو تازگی بخشی جائے گی، تاکہ وہ علماء ومدارس سے قریب ہوں اور دین کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں اور دینی مدارس اور قرآنی مکاتب کی عظمت واہمیت ان کے دلوں میں بٹھانا تاکہ عوام مسلمین کا رابطہ دین وایمان کے مراکز اور علومِ قرآن کے مدارس ومکاتب سے قائم رہے، ان کے دلوں میں نفرت کے بجائے ان سے محبت قائم ہو اور علماء وعوام کا باہمی ربط ہو اور عوام کو محسوس ہو کہ مدارس کا ہمارے بچوں کو تعلیم وتربیت دینے میں کیا کردار ہے؟ اور ان دینی مکاتب ومدارس کا ہونا دین وایمان کی بقاء وتحفظ اور اپنے بچوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے کتنا ضروری ہے؟ اور ان سب مقاصد کے پیچھے بنیادی واصولی مقصد تو وہی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہے، مگر سبب کے درجہ میں یہ مقاصد بھی بذاتِ خود محمود ومطلوب ہیں، کیونکہ درحقیقت ان مقاصد کا خلاصہ لوگوں کو مدارس ومکاتب اور علماء ومدارس سے محبت کی دعوت دینا ہے۔ اس کے اندر دین سے محبت کا پیغام بھی چھپا ہوا ہے۔

یہ تو وہ نیت ومقصد ہے کہ جو مخلصانہ ہے، کیونکہ ان تمام نیتوں کے پیچھے اصل مقصود دین ہی کی عظمت واہمیت ہے اور اس عظمت واہمیت کا لوگوں کے دلوں میں اتارنا وبٹھانا یہ بجائے خود اس وقت دین کی عظیم ترین خدمت ہے۔

مدرسہ کے جلسوں میں غیر مخلصانہ نیتیں

لیکن اگر اسی جلسہ کے پیچھے مقصد صرف یہ ہے کہ:-

- لوگوں کو دینی جلسہ کے عنوان سے جمع کرو اور اس کے اندر وقت کے بڑے بڑے علماء کرام اور مشہور مقررین کو دعوت دو اور ان کے ناموں کے اشتہارات خوب چمکتے چمکتے حروف میں لکھواؤ

خواہ مقررین خود بھی مخلص ہوں یا نہ ہوں،اور خواہ وہ اللہ والے ہوں یا نہ ہوں،بس ہمیں مدرسہ کا چندہ کرنا اور لوگوں میں مدرسہ کا تعارف کرانا ہے،خواہ جیسے بھی ہو،بیانات سب ایسے ہوں کہ جن میں چندہ دینے کی طرف ترغیب دلائی جائے،اور مدرسہ کے وہ احوال جو باعثِ کشش ہوں، خواہ حقیقی وواقعی ہوں یا خلافِ واقعہ ہوں،لوگوں میں بیان کرائے جائیں۔

➢ یا جلسہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ دیکھ لیں کہ ہمارے مدرسہ میں کتنی شاندار پڑھائی ہوتی ہے۔ اس کے لئے چند بچوں کو کچھ مخصوص تلاوت اور نظم وغیرہ اور تقریر کی تیاری کرا کر اس کو رٹا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔حاضرینِ جلسہ سامعین اس پر قیاس کر کے سارے بچوں کی تعلیم بھی اسی طرح سمجھتے ہیں،تو یہ ریا کے ساتھ ساتھ دھوکہ دہی اور گویا کذب بیانی بھی ہے، کیونکہ مدرسہ کی تعلیمی صورتِ حال تو بڑی بدتر ہے، مگر چند طلبہ کے ذریعہ جو ظاہر کرائی گئی وہ ایسی عمدہ ہے کہ سب سمجھ رہے ہیں کہ اس مدرسہ میں ایسی ہی پڑھائی ہوتی ہے،خوب عمدہ تلاوت اور بڑی اچھی تقریر اور دینی معلومات پر مشتمل بڑا عمدہ مکالمہ کرایا گیا۔

➢ یا پھر یہ مقصد ہے کہ اے لوگو!دیکھو ہمارے جلسہ کے مقررین وواعظین اور شرکاء کی تعداد اور نظم وانتظام کی عمدگی کیا خوب ہے،اس لئے دراصل تمہارے علاقہ کے جتنے مدرسے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ اور مرکزِ التفات بس یہی ادارہ ہے،اور ہم ہی وہ علماء ہیں جو تمہارے اس علاقہ میں دینی قیادت وسیادت کے لائق ہیں اور تم لوگوں کو ہمیں support کرنا چاہئے اور ہماری تائید کرنی چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ جلسہ کا مقصد اپنے اور اپنے ادارہ کی تعریف وتحسین وتعارف،اپنے اور اپنے ادارہ کی محبت وعظمت کو دلوں میں بٹھانا اور جمانا،تاکہ پھر لوگ ہر موقع پر ہمیں یاد رکھیں اور اہمیت دیں۔

اس سے کوئی سروکار نہیں کہ:-

❖ جلسہ میں لوگوں کو کچھ دینی باتیں بھی بتائیں یا نہیں؟

❖ کچھ ایمان ویقین کی گفتگو اور اصلاح وتزکیہ نفس کے تذکرے بھی ہوئے یا نہیں؟

تو یاد رکھئے کہ یہ سب کچھ دنیاداری ہے اور بالکل غیر مخلصانہ نیتیں اور ارادے ہیں۔ ان سے ہمیں بچنا چاہئے۔

مذکورہ بالا گفتگو پر ایک سوال وجواب

سوال:- اس موقع پر خود احقر راقمِ سطور کے ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ جو عام طور پر لوگوں کو اس مذکورہ بالا گفتگو کے متعلق پیدا ہوسکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ کیا اس طرح سے جلسہ کر کے مدرسہ کے لئے چندہ کرنا یا مدرسہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کا تعارف کرانا اخلاص کے منافی ہے؟

اور آخر یہ کیوں درست نہیں ہے؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کا مقصد کوئی اپنی شخصیت اور اپنی ذات کا تعارف تو نہیں ہے، اور نہ اپنی ذات کے لئے دولت جمع کرنا ہے، بلکہ دینی ادارہ کے لئے ہے اور وہ ادارہ دینی تعلیم کے لئے ہے اور دینی تعلیم اللہ کی رضا کے لئے ہے، تو خلاصہ یہ نکلا کہ یہ تو گویا عین اخلاص کی بات ہوئی؟

جواب:- غور سے اور دھیان سے پڑھئے۔ حاصلِ جواب یہ ہے کہ مدرسہ کی کارکردگی جو کہ حقیقت پر مبنی ہو، یعنی جیسا جلسے میں لوگوں کو دکھایا جارہا ہے وہ حقیقت میں بھی ویسا ہی ہو اور اس کے دکھانے کا مقصد لوگوں میں تعلیم وتربیت اور علمِ دین سے رغبت وشوق دلانا اور مدارس واہلِ مدارس اور دینی مراکز سے محبت وتعلق استوار کرانا ہو، تو یقیناً یہ اخلاص والی بات ہے، کیونکہ یہ سب امور دین میں مطلوب ہیں۔

لیکن جس چیز کو احقر نے اخلاص کے مقابل قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ نام تو دینی جلسہ اور مقررین کے بیانات اور قراء کرام کی قراءت وتلاوت کا ہے اور اسی عنوان پر لوگوں کو جمع کیا گیا ہے، مگر درپردہ مقصد صرف چندہ جمع کرنا اور جیسا جو چندہ جمع کرانے کی تقریر کرے ویسے ہی اس کی تقریر پر اس کو ہدیہ یا بالفاظِ دیگر معاوضہ دینا، اور مدرسہ کی بالکل غیر حقیقی وغیر واقعی تعلیمی صورتِ حال لوگوں کے سامنے

پیش کر کے دکھانا اور لوگوں کے درمیان اپنا نام ومقام اور اپنی پہچان پیدا کر لینا، ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا وغیرہ۔ جیسا کہ احقر نے اوپر ذکر کیا ہے، یہ سب یقیناً اخلاص کے منافی امور ہیں اور خلافِ حقیقتِ واقعیہ ہونے کی وجہ سے ایک طرح کی تلبیس اور دھوکہ دہی ہے۔

آج مدارس کے جلسوں سے لوگوں کی دلچسپی کیوں ختم ہوگئی؟

یہی وجہ ہے کہ آج ہماری قوم عام طور پر مدارس کے جلسوں سے بدظن اور متنفر ہو چکی ہے۔ اور دن بدن ان کی وقعت واہمیت دلوں سے نکلتی جارہی ہے، اس لئے کہ وہ یہ جان چکے ہیں کہ ان جلسوں میں دین کی باتیں اور اصلاحی وایمانی گفتگو کم ہوگی اور مدرسہ کے چندہ کا موضوع پورے جلسہ پر غالب رہے گا، پھر بسا اوقات محض شرما حضوری میں ان کے نام بولنے کی صورت میں ان کو مدرسہ میں کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے، اگرچہ حقیقت میں کاروباری ومعاشی احوال ٹھیک نہ ہونے کے باعث دینے کا موقع نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہی تو وہ بات ہے جسے حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے:-" لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ " (بیہقی: ۷/۳۴۶) یعنی کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضاوخوشی کے لینا جائز نہیں ہے، تو ظاہر ہے مذکورہ بالا صورت میں دل کی خوشی نہیں ہوتی، بس شرما حضوری میں "لوگ کیا کہیں گے" کے ڈر سے مدرسہ کو چندہ دے دیتے ہیں۔

بزرگوں کی مجلسوں اور تبلیغی واصلاحی جلسوں میں اخلاص وریا

بزرگوں کی مجلسوں میں شرکت بڑی نعمت، مگر!

صاحبو! بزرگوں کی مجلسوں اور وعظ وبیان ودعوت وتبلیغ کی محفلوں اور جلسوں میں شرکت بڑی نفع کی چیز ہے اور یہ کہنا غلط نہیں کہ وہاں کی آمد ورفت دنیوی واخروی سعادت کی ضامن ہے۔ ظاہر ہے انہیں مجلسوں اور محفلوں میں بیٹھ کر آج تک لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی زندگیوں میں بڑی بڑی عمدہ تبدیلیاں آئیں اور بڑے اچھے اچھے انقلابات رونما ہوئے اور نہایت فساد وبگاڑ کے مزاج

والے اصلاح وسدھار کی سمت نکل آئے، مگر ہمارے لئے یہ بات بڑی اہم اور ازحد ضروری ہے کہ ہم ان مجالس میں شرکت کے سلسلہ میں اپنی نیتوں کا ایک جائزہ ضرور لے لیں اور اپنے گریبان میں ایک نظر ضرور ڈال لیں کہ بنیادی طور پر ہمارا ان بزرگوں کے پاس جانا، ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا، ان کی صحبت میں بیٹھنا، تبلیغی بیانات و پروگراموں میں شریک ہونا آخر کس مقصد کے لئے ہے؟ تاکہ جب واپس لوٹیں تو غور کریں کہ کیا ہمیں ہمارا مقصد حاصل ہوا؟ اور حصولِ مقصد کی راہ میں کیا میں کچھ ترقی پر ہوں یا بس جہاں تھا وہیں کا وہیں ہوں؟ اگر ترقی نہیں ہوئی تو کیوں؟

اب اگر کوئی سوال کرے کہ آخر ان جگہوں میں کیا نیت لے کر جانا چاہئے تو اس کا اصولی جواب تو بالکل آسان ہے کہ بس یہ نیت کر کے جاؤ کہ ان کے پاس اس لئے جا رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، مگر مزید کچھ نیتیں جو سب کی سب دین ہیں اور اللہ کو خوش کرنے والی ہیں، احقر پیش کر دیتا ہے، اور وہ یہ ہیں:-

ہم کن نیتوں سے ان دینی مجالس میں شرکت کریں؟

(۱) جب ہم ایسی مبارک مجلسوں میں جائیں اور ایسی پرنور محفلوں میں شرکت کریں تو منجملہ نیتوں کے ایک نیت ہمیں یہ کرنی چاہئے کہ وہاں اس لئے جا رہا ہوں تاکہ میں اللہ کے محبوبین اور نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے ”وَجَبَتْ مُحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ“ (مسند احمد: ۳۵۹/۳۶، بیہقی ۳۱۰/۱۱) یعنی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب وثابت اور لازم ہوگئی، یعنی وہ لوگ ضرور میرے محبوب بن گئے کہ جو آپس میں خالص میری رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور خالص میری رضا کی خاطر ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور اسی غرض سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔

توخلاصہ یہ نکلا کہ ایسی جگہوں میں اس نیت سے جاناچاہئے کہ میں خالص دینی مقاصد کی خاطر اور اللہ کوراضی کرنے کے لئے ان مجلسوں میں جاؤں گا تو مجھے وہاں جاکر ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی ضرور ایک نہ ایک دن اللہ کے محبوبین بندوں میں شامل ہوجاؤں گا۔

(۲) یا یہ نیت کریں کہ میں اس لئے جارہاہوں کہ اس قسم کی محفلوں اور بابرکت مجلسوں میں جانے اور اللہ والوں کی زیارت ودیدار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور دنیاکی طرف سے دل ہٹنے لگتاہے اور آخرت کی طرف دل کاشوق اور رغبت زیادہ ہوجاتی ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں آیاہے کہ ”اَلَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللہُ“ (سنن ابن ماجہ: ح ۴۱۵۲) کہ اللہ والوں کی ایک پہچان اور نشانی یہ ہے کہ لوگ جب ان کی زیارت کرتے ہیں تو دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کاشوق اور وہاں کادھیان یہ اللہ کے اولیاء کانصیب اور حصہ ہے، جو بڑی نعمت ہے۔

اہلِ ایمان کو دینی نصیحت سے نفع ضرور ہوتا ہے
اگر مسلمان آدمی کو دینی باتوں سے نفع نہ ہو تو؟

(۳) اور یہ نیت لے کر جائیں کہ اس طرح کی مجالس میں شرکت کی بدولت میری زندگی میں تبدیلی آئے گی اور جو بہت سی خراب عادتیں اور گناہ وغفلت کی باتیں ہیں وہ دور ہوجائیں گی، کیونکہ ظاہر ہے دین وایمان کی باتیں اور تذکرے اور بزرگوں کے وعظ ونصیحت اور تذکیر وتبلیغ نفع سے خالی نہیں ہوتی ہے، جیساکہ قرآنِ کریم میں آیاہے کہ ”وَذَکِّرْ فَإِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ“ (الذاریات: ۵۵) یعنی آپ نصیحت کیجئے بے شک نصیحت ایمان والوں کو نفع پہنچاتی ہے۔

اسی لئے بعض علماء ربانیین نے فرمایاہے کہ جس شخص کو دین کی باتیں سنانے اور تذکیر وتبلیغ سے کوئی نفع نہ ہو تو اسے اپنے ایمان کے بارے میں سوچ لیناچاہئے، اس لئے کہ قرآن جھوٹا نہیں ہوسکتا ہے اور قرآن کہہ رہاہے کہ ایمان والوں کو تذکیر سے نفع ہوتاہے، تو گویا اہلِ ایمان کے لئے وعظ وتذکیر

سے فائدہ ہونا یقینی ہے، اس لئے جو شخص مومن و مسلم ہو کر یہ کہے کہ ہمیں تو کچھ نفع نہیں ہو رہا ہے تو ضرور یہ بات ہو گی کہ نفع ہو رہا ہے مگر اس کو اس کا احساس نہیں ہو پا رہا ہے، یعنی یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں۔ (۱) نفع ہے اور اس کا احساس بھی ہے (۲) نفع ہے مگر اسے احساس نہیں ہو رہا ہے، اِسے کہتے ہیں غیر شعوری طور پر نفع۔

ہم نے یہ بات بہت دیکھی ہے کہ صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت سے آدمی غیر شعوری طور پر مستفید ہوتا رہتا ہے اور اندر اندر سے بدلتا رہتا ہے، جبکہ خود اسے پتہ نہیں چلتا ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح فاسقین اور برے لوگوں کی صحبت سے اندر اندر سے آدمی متأثر ہوتا رہتا ہے، اگرچہ بہت مرتبہ اسے خود احساس نہیں ہوتا۔

اور یہ دونوں قسم کے لوگ کچھ دن گذرنے کے بعد جب اپنا ماضی اور حال دیکھتے ہیں تو اس وقت اپنے اندر بڑی واضح تبدیلیاں پاتے ہیں۔ درحقیقت یہ تبدیلیاں یکلخت نہیں آجاتیں، شدہ شدہ آتی ہیں، مگر ابتدا میں ان کا احساس نہیں ہوتا۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

یعنی نیک کی صحبت تجھے نیک بنادے گی اور برے کی صحبت تجھے برا بنادے گی۔

اللہ والوں کی مجالس میں شرکت کی سب سے اونچی و اعلیٰ نیت

تنبیہ :- یاد رکھئے کہ یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی نیت ہے کہ انسان اپنے اندر اچھی تبدیلیاں اور اپنی زندگی میں صالح انقلاب لانے کی نیت سے بزرگوں کے پاس جائے، اور اس کی خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ خوب توجہ اور دھیان سے اور اپنے اوپر تطبیق کی نیت سے اپنے بزرگوں کی باتیں سنتا ہے۔ اِسی بات کو میرے شیخِ اول حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ بہت کثرت سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں تطبیق کی نیت سے آیا کرو، یعنی مطلب یہ کہ جو باتیں بیان کی جارہی ہیں ان کی روشنی میں سالک اپنے آپ کو چیک کرتا رہے اور جن اچھی باتوں کو اپنے اندر موجود پائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جن بری باتوں

کوموجود پائے توان کے ازالہ کی فکر کرے،اس کے لئے تدابیر اختیار کرے،اور اسی طرح جن خوبیوں اور اچھائیوں اور صفات وکمالات سے اپنا دامن خالی پائے ان کو حاصل کرنے کی فکر اور جدوجہد کرے۔

میرے شیخِ اول حضرت مسیح الامت جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نیت سالکین کے لئے سب سے زیادہ اہم اور سب سے اعلیٰ درجہ کی نیت ہے۔

(۴) اسی طرح اس نیت سے جانا بھی ٹھیک ہے کہ بزرگانِ دین کی مجالس میں جاکر دینی معلومات اور شرعی مسائل اور بہت سی عبرت ونصیحت کی اصلاحی باتیں معلوم ہوتی ہیں تو اپنی مفید اور صحیح علمی رہنمائی ہوجاتی ہے اور عقائد وعبادات اور معاشرت ومعاملات غرضیکہ دین کے ہر شعبہ سے متعلق صحیح صحیح باتیں معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح جہل کی ظلمات اور اندھیروں سے نجات مل جاتی ہے اور اہلِ باطل کی پھیلائی ہوئی غلط باتوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ دین کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے اور بالفاظِ دیگر یوں کہئے کہ دین کا علم ایک روشنی ہے جس کے بغیر راستہ پر چلا نہیں جاسکتا ہے۔ اگر ہم بغیر صحیح دینی علم کے چلنے کی فکر بھی کریں گے توخطرہ ہے کہ کبھی اِدھر گریں گے اور کبھی اُدھر گریں گے تو اس طرح ان مجالس میں شرکت کی برکت سے بھٹکنے سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ اِسی لئے بقدرِ ضرورت علمِ دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ والوں کی مجالس میں شرکت شقاوت کو سعادت سے بدل دیتی ہے

(۵) بزرگانِ دین کے پاس آنے جانے اٹھنے بیٹھنے کی نیتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی اچھی نیت ہے کہ "هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ" (مسند احمد: ۲۲۸/۷) یعنی یہ اللہ والے ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جو ان کی مجالس میں جاتا ہے وہ محروم نہیں رکھا جاتا ہے، بلکہ جس طرح اللہ کی مغفرت اور اس کے رحم وکرم کی ٹھنڈی چھاؤں میں وہ اللہ والے رہتے ہیں، اسی طرح یہ ساتھ بیٹھنے والے بھی اس سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہتے، جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اگر کوئی شخص خالص نیت عبادت واخلاص

کے ساتھ نہ بھی آیا ہو، بلکہ خالی الذہن ایسے ہی آبیٹھا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محروم نہیں رکھا جاتا ہے، بلکہ اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی مجلس میں شرکت کہ جہاں جانے سے مغفرت کی نعمت کا حصول ہوتا ہو، بڑی ہی سعادت کی بات ہے۔

(۶) اسی طرح بزرگوں کے پاس اس نیت سے جانا بھی اچھی بات ہے کہ کل قیامت کے دن ہمارا حشر ان کے ساتھ ہو، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی بزرگ اور اللہ والے کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس کے ساتھ محبت ہے اور جس کو جس کے ساتھ محبت ہو گی تو قیامت کے دن اس کا حشر بھی اُسی کے ساتھ ہو گا۔

اِسی طرح حدیث شریف کے اعتبار سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے دو لوگوں کو قیامت کے دن آپس میں جمع کر دیں گے جو ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت رکھتے تھے۔

تو خلاصہ کلام یہ کہ اس قسم کی سب نیتیں آخرت میں اجر و ثواب اور فضائل کے حصول کی نیتیں ہیں، اور یہ سب اخلاص پر مشتمل اچھی نیتیں ہیں۔

دینی تبلیغی و اصلاحی مجلسوں میں شرکت کی فاسد نیتیں

میرے معزز قابل قدر و احترام بھائیو! اگر کوئی آنے والا شخص ان مبارک محفلوں اور مجلسوں میں اِن نیچے ذکر کردہ نیتوں کے ساتھ آرہا ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کو ان مجلسوں سے کوئی حقیقی فائدہ اور نفع نہ ہو گا، بلکہ روزِ قیامت بڑے نقصان و خسران کا سامنا ہو گا۔

(۱) آؤ چلو میاں! ذرا فلاں مولانا صاحب اور بزرگ صاحب کی مجلس میں چلتے ہیں، ان کا بڑا نام سنا ہے، آؤ ذرا دیکھیں کہ:۔

- اس شخص کے پاس کیا علم ہے؟
- اس کا علمی مبلغ اور تحقیقی سطح کیا ہے؟

- لوگ تو بہت ان کے گرویدہ ہو رہے ہیں، مگر ہمیں کچھ جچتا نہیں ہے۔ آؤ ذرا ان کو سنیں، تاکہ اگر ان کے بیان میں کچھ قابل اعتراض اور لائقِ تنقید چیزیں ہاتھ لگیں تو پھر ان پر زبانی یا قلمی طور پر کچھ لکھنے کا اور ان کو نیچا دکھانے کا موقع ملے اور پھر ان کے اور ان کے حلقۂ احباب کے دلوں پر ہمارا علمی سکہ جمے اور رعب بیٹھ جائے اور وہ ہم سے دبنے لگیں۔

پھر دوسرا فائدہ یہ کہ جتنی بڑی شخصیت پر کچھ لکھا جاتا ہے اتنا ہی مخلوق میں نام زیادہ پھیلتا ہے، تو اس سے یہ بھی ایک فائدہ ہوگا کہ خلق میں اچھی شہرت حاصل ہوگی اور ہر طرف ہمارا تعارف ہو جائے گا۔ لوگ جلد ہی ہمارے علمی مقام سے واقف ہو جائیں گے۔ اس لئے ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے۔

(۲) یا پھر یہ کہ اعتراض وتنقید تو مقصود نہیں ہے، لیکن یہ جانچنے پرکھنے اور اندازہ لگانے جا رہے ہیں کہ:-

- یہ کتنے بڑے عالم ہیں؟ اور کس درجہ کے بزرگ ہیں؟
- ان میں اور فلاں فلاں بزرگوں میں کون اونچے مقام کا بزرگ ہے؟
- کس کے پاس آنے والے کم ہیں؟ اور کس کے پاس زیادہ؟
- ان کے پاس چل کر دیکھتے ہیں کس درجہ کے لوگ آتے ہیں؟ نیچے اور گھٹیا طبقہ کے یا بڑے اونچے طبقہ کے لوگ آتے ہیں؟ یہ سب فاسد نیتیں ہیں۔

اے خانقاہ ومرکز والو! ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں

(۳) یا پھر اس لئے شریک ہو رہا ہے کہ اے خانقاہ ومرکز والو! دیکھو ہم بھی تمہارے گروپ اور جماعت کے لوگ ہیں، اور ہم بھی اسی خانقاہی وتبلیغی کام میں جُڑنے والوں میں سے ہیں، اس لئے وہاں جاکر کسی بھی شکل سے اپنے وہاں موجود ہونے کا لوگوں کو احساس دلاتے ہیں، اور اپنا وہاں ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ وہاں ہر قسم کے دنیوی لوگ صاحبِ دولت وثروت اور اربابِ حکومت وسلطنت آیا کرتے ہیں، تو چلو گھر پر پڑے پڑے بور ہو رہے ہیں، وہاں کھانا بھی وقت پر

مل جائے گا اور کچھ اس قسم کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوں گی اور اپنا تعارف بھی ہوجائے گا، لوگوں سے مل کر کوئی امامت یا درس وتدریس کی کوئی جگہ یا کسی دنیوی ملازمت کا کوئی راستہ بھی نکل سکتا ہے۔

اِسی لئے اِس طرح کے لوگوں کو بیان سننے نہ سننے اور مجلسِ وعظ ونصیحت میں شرکت کرنے سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہوتا، لیکن ان کو اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے کہ جب یہ دینی مجلس اور وعظ ختم ہو اور سب اٹھیں اور ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور آمنا سامنا ہو تو وہ ضرور اس موقع پر وہاں موجود ہوں۔ وہ اس سے بالکل نہیں چوکتے، بلکہ اس قسم کے لوگ ایسے مواقع میں سب سے آگے آگے خوب نمایاں نظر آتے ہیں، اور جو دینی بیان ان سے چھوٹتا ہے اس کا ان کو کوئی خاص احساس اور رنج وملال نہیں ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! یاد رکھئے کہ اس قسم کے لوگوں کی ایک چھوٹی بڑی تعداد عام طور پر ہر جگہ دینی مدارس اور تبلیغی مراکز اور خانقاہوں میں ہوا کرتی ہے، اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ساری عمر یں ان مبارک مقامات پر گذار دینے کے باوجود جہاں تھے وہیں کے وہیں رہتے ہیں۔ ان کو کچھ ہاتھ نہیں آپاتا ہے۔ بس دنیوی مادی مفادات میں ضرور کچھ نہ کچھ ان کو ہاتھ لگ جاتا ہے، جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ مقصد پر نظر رکھ کر اس کی تلاش میں لگے رہتے اور حتی الوسع یہی کوشش کرتے رہتے کہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہنا ہے۔

خانقاہوں اور مرکزوں میں حاضری سے حاکموں اور تاجروں تک رسائی کی نیت

(۴) یا بعض بیچارے دیکھتے ہیں کہ ارے یہاں خانقاہوں اور تبلیغی مرکزوں میں تو بہت سے تاجر اور کاروباری لوگ آتے جاتے ہیں۔ وہاں مختلف قسم کی تجارتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بآسانی مل جائیں گے تو اس طرح چلو کچھ دین کی بات بھی سن لیں گے اور گویا ظاہری لبادہ جماعت میں جانے اور مرکز میں شب گذاری کا ہوگا، مگر اس کی بدولت جب لوگوں سے جان پہچان اور ربط وضبط ہوگا تو پھر کاروباری معاملات میں سہولت اور خرید وفروخت کے وقت میں لوگوں کا رعایت کرنا، اور کبھی قرض ومدد کی ضرورت ہو تو آسانی سے مل جانا، یہ سارے فائدے بھی حاصل ہوجائیں گے۔ تو سمجھ لیجئے کہ اخلاص دل سے جاتا رہا۔ اب یہ حاضری وشرکت سب غیر اللہ کے لئے کہلائے گی، اور بارگاہِ خداوندی میں بالکل بے سود بلکہ ضرر رساں ہوگی۔

(۵) یا اسی طرح بعض حضرات جو دینی ورفاہی اداروں کے ذمہ دار ہیں اور انہیں اپنے ادارے چلانے کے لئے لوگوں سے چندہ کی ضرورت ہوتی ہے، اب ویسے تو لوگوں میں تعارف کرانا اور ان کے پاس چندہ کے لئے جاکر ان سے درخواست کرنا بڑا مشکل اور کٹھن کام ہے، تو چلو اس طرح سے اپنا ایک اچھا خاصا تعارف ہوجائے گا اور اہلِ تبلیغ وخانقاہ تک اس کام کے لئے پہونچنے کا ایک راستہ ہموار ہوجائے گا، لہٰذا اس مقصد کی خاطر باقاعدہ بزرگوں کی خانقاہوں میں اور اصلاحی جلسوں اور پروگراموں اور ہفتہ واری مجلسوں میں حاضری ہورہی ہے، اور اسی طرح جماعت کے ساتھ چِلے لگانا، مشوروں میں جُڑنا اور اجتماعات میں خوب آگے آگے لگے رہنا ہورہا ہے، تو یہ سب کا سب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بے قیمت شمار ہوگا۔

گھر پر bore ہورہے ہیں، چلو کچھ outing ہوجائے

(٦) اور بعض بیچارے تو بس زبان سے کہہ بھی دیتے ہیں کہ ارے یار! گھر پر رہ کر کاروباری مصروفیتوں اور گھریلو مسائل اور جھگڑوں میں بڑی ٹینشن تھی، اس لئے سوچا کہ چلو کچھ دن کے لئے ذرا outing ہوجائے گی تو ذرا دماغ کو سکون مل جائے گا، اللہ والوں کی خانقاہ میں کھانا پینا، رہنا سہنا سب مفت میں ہوجاتا ہے، اور بعض خانقاہوں میں تو ماشاء اللہ بہت عمدہ کھانے ملتے ہیں، اس لئے دس بیس دن یا مہینہ رہ کر پھر آئیں گے، تو ذرا طبیعت تھوڑی تبدیل ہوجائے گی، اور ساتھ میں کچھ دینی اعمال میں شرکت بھی نصیب ہوجائے گی اور لوگوں کی نگاہوں میں عنوان بھی اللہ کے راستہ میں جانے کا ہوگا، تو ساتھ ساتھ میں محلہ اور شہر میں عزت بھی ملے گی۔

افسوس ہے اِس پر کہ آج کل بعض لوگ عمرہ کے لئے بھی ان فاسد غرضوں اور نیتوں کو سامنے رکھ کر سفر کرتے ہیں کہ چلو ذرا holiday منالیں، اور کچھ outing ہوجائے، اور کچھ business stress سے عافیت مل جائے۔

تنبیہ:- یاد رکھنی چاہئے یہ بات کہ اس قسم کی نیتوں سے ان تمام عبادات کا اجر باطل ہوکر رہ جاتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ جب اعمال میں ریا آئے گی تو روزِ قیامت اس ریا کاری پر وہ

تمام سزائیں بھگتنی پڑیں گی جن کا تذکرہ اوپر احادیثِ شریفہ میں آچکا ہے۔

اس لئے میرے عزیزو اور بھائیو! ہمیں آج ہی ہوش میں آنا اور سنبھل جانا چاہئے اور اپنا محاسبہ کر کے ہر عمل میں اپنی نیتوں کو خالص لوجہ اللہ کر لینا چاہئے، تا کہ وہاں کی دائمی رسوائی اور ذلت وحسرت سے حفاظت ہو جائے، اور ہمارے کئے ہوئے دینی اعمال اور ایمانی محنتیں اور کوششیں ہمارے لئے آخرت میں کار آمد اور نافع ہوسکیں۔

خانقاہوں، تبلیغی مرکزوں اور دینی مدرسوں میں اخلاص وریا

مسلمانو! کیا اس میں کسی مسلمان کو ادنی سا بھی شک ہوسکتا ہے کہ یہ اوپر ذکر کردہ جگہیں اور مقامات مسلمانوں میں ایمانی واسلامی Sprit اور روح پھونکنے کی بڑی بابرکت اور پاکیزہ جگہیں ہیں۔ اگر مدرسوں میں تعلیمِ دین ہے تو تبلیغ کی موجودہ شکل سے تشویقِ دین اور پھر خانقاہوں سے تکمیلِ دین۔ تو غرض یہ کہ یہ سب کے سب دین ہی کی خدمت اور اشاعت وصیانت کے مراکز ہیں، تو ان کو چلانے والے ذمہ دار حضرات کا عند اللہ کیا ہی اونچا مقام ہوگا اور ان حضرات کو کل قیامت کے دن جہاں ان کے اعمال کا بدلہ اور اجر وثواب ملے گا وہیں ان تمام لوگوں کے اعمال کا اجر بھی ان کے حصے میں آئے گا جو کہ ان دینی اداروں اور مرکزوں میں زیرِ تعلیم وتربیت رہ کر اس قابل بنے ہوں گے کہ وہ دین کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور پھر آگے اس کو پھیلائیں۔

صاحبو! ان اداروں اور مرکزوں میں رہ کر پچاس ساٹھ سال کی زندگی میں ایسے اونچے نبوت والے اعمال کر کے انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے یعنی مرجاتا ہے، لیکن ایک لحاظ سے وہ زندہ کے مثل ہوتا ہے، کیونکہ اس کے دین سکھلائے ہوئے حضرات واسطہ در واسطہ قیامت تک جتنے لوگ آتے رہیں گے تو ان کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی اس شخص کے نامۂ اعمال میں برابر ملتا رہے گا۔ اسی کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ ساری فضیلت اور اجر وثواب جبھی ہے جبکہ ان اداروں کے چلانے والے مخلص ہوں اور ان کی نیتیں اور ارادے مخلصانہ ہوں اور ادارہ کے تمام امور مطابقِ شرع بھی ہوں،

یعنی کارِ نبی بطریقِ نبی اور بشرطِ اخلاصِ کامل ہو تب تو وہ مستحقِ فضائل ہے ورنہ نہیں، بلکہ بصورتِ دیگر جوز و اجر اور وعیدیں ہیں وہ بڑی سخت ہیں۔

دینی اداروں اور دعوتی مرکزوں میں اخلاص والی نیت کیا ہو؟

میرے بھائیو! ان مذکورہ بالا دینی و اسلامی مرکزوں اور علمی و ایمانی اداروں کے چلانے کے لئے ہماری کیا نیت ہونی چاہیے؟ بس جو کچھ اپنے بزرگوں اور اسلاف سے اس سلسلہ میں سنا ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ دل میں یہ نیت ہو کہ میں ان دینی مراکز میں رہ کر قرآن و سنت کی تعلیمات اور نبوی ارشادات اور اسلامی ہدایات کو طلبہ اور علماء و عوام میں خوب پھیلاؤں، ہر طرف دین زندہ ہو اور قرآنی مکاتب اور دینی مدارس کا خوب قیام ہو، تا کہ امتِ مسلمہ کے بچوں اور جوانوں میں ہر طرف اسلامی تعلیمات، عقائد و عبادات اور معاشرت و معاملات پڑھے پڑھائے اور عمل میں لائے جا رہے ہوں، اور اس طرح میری زندگی کے قیمتی لمحات دین کے پھیلانے میں گذر رہے ہوں، اور گویا میں ایسا باغ تیار کر رہا ہوں کہ جس کے پھل پھول اور جس کی کھیتیاں اور پھلواریاں کل روزِ قیامت مجھے کام آئیں گی، اور اس طرح میرا شمار حضور ﷺ کے سچے وارثوں اور جانشینوں میں ہوگا اور میں قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے حضور ﷺ کی معیت میں اٹھایا جاؤں گا۔ اللہ عز و جل کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی اور پھر جنت میں داخلہ کی نعمت مل جائے گی۔

خواہ :-

- دنیا میں مجھے لوگ جانیں یا نہ جانیں۔
- میری شہرت ہو یا نہ ہو۔
- مجھے بڑے اونچے القاب اور مرتبے حاصل ہوں یا نہ ہوں۔
- بس کام ہوتا رہے، خواہ کام کرنے والے کا لوگوں کو پتہ چلے یا نہ چلے۔
- میں دنیوی لحاظ سے ترقی کروں یا کمزور رہوں۔

- میرا معاشی و مالی نظام بہتر ہو یا نہ ہو۔
- میرا شمار بڑے بڑے مہتممین اور بزرگوں میں ہو یا نہ ہو۔
- ہمارا مدرسہ و خانقاہ اور مرکز دنیا کی نگاہوں میں اونچا سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے۔

مدارس کے قائم کرنے میں فاسد نیتیں

لیکن اگر خدانخواستہ ہماری نیتوں میں فتور اور خلل آ گیا اور ان دینی مراکز و مدارس سے ہم نے اپنا مقصود مثلاً یہ بنالیا کہ:-

- میاں اِس لئے مدرسہ کھول لیا ہے کہ اپنے اٹھنے بیٹھنے کے لئے ایک مناسب اچھی جگہ بن جائے۔ اپنے اور اپنے اہلِ خاندان اور گھر والوں اور دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے ایک اچھا ٹھکانہ ہو جائے، ویسے تو اپنے پاس اتنی زمین جائیداد نہیں ہے کہ اس میں رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے کا ایک معقول سا انتظام ہو سکے۔
- یا یہ نیت کہ مدرسہ کی نسبت سے لوگوں میں ایک اچھی سی عزت مل جاتی ہے اور جان پہچان ہو جاتی ہے۔ آس پاس میں پورے علاقے والوں میں اپنا بہترین تعارف ہو جاتا ہے، لوگ مدرسہ میں بچوں کو پڑھانے کے لئے لاتے ہیں تو ان کے داخلہ کے لئے لوگوں کو ہماری ضرورت پڑتی ہے تو پھر وہ لوگ بھی ہمارے ہر طرح کے کاموں میں، مدرسہ کے کام ہوں، یا گھریلو کام کاج ہوں، ہماری خوب مدد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مدرسہ نہ ہو تو یہ سارے فائدے دن رات حاصل نہ ہو سکیں گے۔
- یا پھر یہ کہ میاں مدرسہ کھولیں گے تو مدرسہ کے مدرسین و ملازمین اور طلبہ وغیرہ سب گویا کہ ایک طرح سے اپنے گھر کے افراد اور فیکٹری و دکان کے ملازمین کی طرح ہو جاتے ہیں، یعنی ان سے اپنے کام کاج کرانا اور مختلف قسم کی خدمتیں لینا آسان ہوتا ہے، اس لئے کہ عام طور پر ہر مدرس و ملازم یہ چاہتا ہے کہ مہتمم و ذمہ دارِ مدرسہ ہم سے خوش رہے، تاکہ ہمیں ترقی اور تنخواہ

وغیرہ اور دیگر سہولیات میں ترجیح حاصل ہو، گویا کہ یہ ایک طرح کی چھوٹی سی حکومت ہوتی ہے اور آدمی اس میں حسبِ منشا مزے اڑا سکتا ہے، اور اپنی من مانی کر کے عیش وعشرت کی زندگی گذار سکتا ہے، جبکہ مدرس بن کر ماتحت ہو کر رہنے میں یہ مفادات حاصل نہیں ہو پاتے ہیں۔

- یا پھر یہ بھی بہت سے لوگوں کا مقصد ہوتا ہے کہ مدرسہ کے ذریعہ اپنا ایک اچھا معاشی واقتصادی سلسلہ قائم ہوجائے، کیونکہ مدرسہ کے عہدوں، منصبوں اور مختلف ذمہ داریوں پر اپنے اہلِ خاندان اور دوستوں کو رکھ کر گویا اپنے خاندان کی ترقی اور اقرباء پروری کا ایک ذریعہ بنالیتے ہیں، اگرچہ ظاہری لبادہ مدرسہ کا اور تعلیم وتعلم کا پہنایا اور اوڑھایا ہوا ہوتا ہے، بہت سے مدرسوں میں یہ نوعیت دیکھی جاتی ہے کہ مہتمم کا خاندان، ان کی اپنی اولاد و چچا اور ماموں وخالو اور ان کے بچے، خواہ ان میں اہلیت ہو یا نہ ہو، مدرسہ پر قابض رہتے ہیں، اور اگر ان کو وہاں سے ہٹانے کی کوئی بات کہی جائے تو باضابطہ ایک بڑی قلمی ولسانی اور کبھی کبھی تو میدانی بھی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔

- یا یہ خیال آیا کہ چلو ہم بھی مدرسہ کھولیں، دیکھو فلاں مدرسہ والوں کی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں اور آس پاس کے علاقہ کے لوگ ان کی خدمت میں خوب ہدایا تحائف لاتے ہیں، تو چلو صاحب ہم بھی یہی کام کریں تو خوب دعوتیں بھی ملیں گی اور ہدیے تحفے بھی حاصل ہوں گے اور بغیر اس کے تو بس پھر لوگوں میں کوئی خاص پوچھ نہیں ہوتی اور نہ ہی کہیں خصوصی محفلوں میں لوگوں کی طرف سے بلائے جاتے ہیں۔

- کبھی بعض بڑے باصلاحیت حضرات کو یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ بس علاقہ کے اندر ایک ایسا ادارہ قائم کریں جو پورے علاقہ میں نمایاں اور معیاری ہو کہ ہر شخص اس کی طرف مائل ہو اور اس کی ہر جانب تعریف ہو اور تمام اداروں سے کھینچ کھینچ کر طلبہ وہاں آیا کریں اور عوام و

خواص میں خوب اس کی مقبولیت وشہرت ہو۔اسی غرض کے لئے خوب جلسے بھی کئے جاتے ہیں اور مختلف اخبارات ورسائل اور ماہناموں اور جریدوں میں اس کے متعلق رقومات خرچ کر کر کے اس کی تشہیر بھی کی جاتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ادارہ کی شہرت ومقبولیت کے ضمن میں اپنی مقبولیت بھی پیشِ نظر ہوتی ہے اور مدرسہ کے امتیازی ونمایاں ہونے کی تعریف سننے کے ساتھ خود اپنی بھی تعریف کانوں میں پڑتی رہتی ہے، تو اس لئے ادارہ کی خاطر اپنی زندگی کھپا کر رکھ دی جاتی ہے اور جوں جوں ادارہ کی اور اپنی شہرت وتعریف کانوں میں پڑتی ہے تو نفس کو خوب مزہ آتا ہے اور لذت ملتی ہے۔

مدرسہ بنانے کی صحیح مخلصانہ نیت

برادرانِ من! یاد رکھئے کہ اس عمل اور محنت میں اگر مخلصانہ نیت یوں کر لی جاتی کہ میں ایک ایسا معیاری ادارہ اس لئے بنانے جارہا ہوں، تاکہ یہاں پر پڑھنے والوں کی زندگی ضائع نہ ہو، اور وہ تعلیمی وتربیتی لحاظ سے قوم کے بڑے اہم حضرات اور مقتدا شخصیات بنیں اور دینِ اسلام کے جید اور مخلص خادم اور علمی وعملی امانتوں کے امین، حاملِ دینِ متین وارثینِ انبیاء ہوں، اور اس طرح ہم اپنے ادارہ کے ذریعہ صحیح باصلاحیت اور صالح افراد تیار کر کے اپنی قوم کو ایک ایسی مضبوط ٹیم اور قیمتی علماء کی جماعت دے سکیں کہ جو ہر لائن میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے خدمات انجام دیں۔

اور اس طرح ہماری یہ ساری محنتیں بارگاہِ خداوندی میں ہمارے لئے اجرِ عظیم اور ثوابِ کثیر کا ذریعہ ہوں اور اللہ عزوجل ہم سے خوب راضی ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ٹھنڈی ہو، دین کا باغ خوب پھلے پھولے۔ ہمارا نام چمکے یا نہ چمکے، ہماری شہرت ہو یا نہ ہو، لوگ ہمیں مانیں یا نہ مانیں، اسی لئے اگر ہمیں مہتمم رکھا جائے تب بھی ٹھیک، ذمہ داروں میں مقرر کر دیا جائے تب بھی صحیح، اور اگر ایسے اچھے ادارے کا عام خادم اور مدرس بنا دیا جائے تو بھی ہم خوش رہیں، ہر صورت میں ہماری

محنت و کوشش اور جد و جہد اور خدمت برابر طور پر قائم اور باقی رہے گی۔

یہ ہے مخلصانہ جذبہ اور اخلاص وللّٰہیت والی نیت وارادہ، اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے ساتھ اگر عملِ قلیل بھی ہو تو بھی نجات کے لئے کافی ہوجائے گا، اور بدون اس کے بڑی بڑی دینی و قومی اور ملی ورفاہی خدمات ایک طرف رکھی رہ جائیں گی اور روزِ جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ مخلوق جن کو دلوں میں رکھ کر اور جن سے امیدیں لگا کر تم نے یہ بڑے بڑے کام کئے تھے ان سے جاکر اپنا اجر و ثواب لے لو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر و بزرگانِ دین نے بڑی بڑی خدمات کے باوجود اپنے نام کو چھپانے کی بڑی کوششیں کی ہیں۔

آج کل منتظمینِ مدرسہ کی تمامتر توجہات کا مرکزی نقطہ کیا چیزیں ہیں؟

ارشادِ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

”عملاً ہماری تمام تر توجہات دینی مدارس کے ظواہر پر مرکوز رہتی ہیں، اور ان توجہات میں مقصدِ اصلی کی لگن کا کوئی عکس نظر نہیں آتا، عموماً منتظمین کے عملی مسائل یہ ہوتے ہیں کہ کس طرح مدرسے کی شہرت میں اضافہ ہو؟ کس طرح اس میں طلبہ کی تعداد بڑھے؟ کس طرح مشہور اساتذہ کو اپنے یہاں جمع کیا جائے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کس طرح عوام میں مدرسے اور اس کے اہل حل و عقد کی مقبولیت میں اضافہ ہو؟ ہمارا طرزِ عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مدارس کے قیام سے ہمارے پیش نظر یہی بنیادی مقاصد ہیں، جن کے حصول کی دھن میں ہمارے شب و روز صرف ہو رہے ہیں، چنانچہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات ایسے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، جو کسی طرح دین اور اہلِ دین کے شایانِ شان نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات تو ان مقاصد کے لئے واضح طور پر ناجائز ذرائع کے استعمال میں بھی باک محسوس نہیں کیا جاتا، اور اگر کسی مدرسے کو ان مقاصد میں فی الجملہ کامیابی حاصل ہوجائے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ مقصدِ اصلی حاصل ہو گیا، لیکن طلباء کی

تعلیمی، اخلاقی اور دینی حالت کیسی ہے؟ ہم کس قسم کے افراد تیار کر کے اس سے معاشرے کی قیادت کے خواہش مند ہیں؟ اور فی الواقع ہماری جد و جہد سے دین کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ ان سوالات پر غور کرنے اور ان کی تڑپ رکھنے والے رفتہ رفتہ مفقود ہوتے جارہے ہیں۔

اس صورتِ حال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم ایک مرتبہ زبان سے اپنا مقصدِ اصلی خدمتِ دین کو قرار دینے کے بعد عملی زندگی میں اسے بھول جاتے ہیں، اور اپنی کوششوں کا تمام تر محور ان ظواہر کو بنالیتے ہیں، جو یا تو شرعاً مطلوب ہی نہیں، یا اگر مطلوب ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ ان کو نیک نیتی سے مقصد کا محض ذریعہ قرار دیا جائے، خود مقصد نہ سمجھ لیا جائے۔

اِسی طرح اساتذہ کا معاملہ عام طور سے یہ نظر آتا ہے کہ ان کا محورِ فکر بسا اوقات یہ رہتا ہے کہ ہمیں کونسا مضمون یا کونسی کتاب پڑھانے کے لیے ملے؟ طلبہ پر کس طرح اپنے علمی تفوق کی دھاک بٹھائی جائے، وہ کونسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے طلبہ میں اپنی مقبولیت بڑھے؟ اور پھر اس مقبولیت میں اضافہ کی خاطر بسا اوقات یہ بات مدنظر نہیں رہتی کہ طلبہ کے لئے کونسا طرزِ عمل زیادہ مفید اور مناسب ہے؟ بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کیا طرزِ عمل طلبہ کی خواہشات کے مطابق ہے؟ چنانچہ اس کے نتیجے میں اساتذہ اپنے طلبہ کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہو کر رہ جاتے ہیں، اور طلبہ اساتذہ کے پیچھے نہیں چلتے، بلکہ اساتذہ طلبہ کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگتے ہیں"۔ انتہی کلام الشیخ تقی عثمانی.

تعلیم و تبلیغ میں مخلصانہ نیت

اِسی طرح مبلغ و داعی اپنی دعوت و تبلیغ اور وعظ و بیان سے دل دل میں یہ نیت اور عزم کرے کہ میرا یہ بیان اور دعوت اس غرض سے ہے کہ میں اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہونچادوں اور خدا تعالیٰ کے احکام مامورات و منہیات کے بارے میں جو کچھ اللہ و رسول ﷺ کے وعدے اور وعیدیں ہیں وہ خوب کھول کھول کر بیان کروں، تا کہ بعض لوگ ذوق و شوق سے اور بعض خوف و ڈر سے دین کی طرف آئیں اور خلقِ خدا کو اس طرح خالق سے جوڑ دوں کہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور

اس کی تقدیس وپاکیزگی سے لوگ واقف ہوجائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے پاکیزہ صاف ستھرے پہلو بیان کر کے لوگوں میں احیاء سنت کا عمل انجام دے سکوں،وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہ نیتیں ہیں جو ایک مخلص اللہ کے داعی بندے کے پیشِ نظر ہوں تو پھر سمجھو کہ اس کا یہ عمل اسے انبیاء کے درجات کے قریب کر دیتا ہے،اور اس کی یہ محنت وکوشش اور جدو جہد نبیوں والی محنت اور جدو جہد لکھی جاتی ہے۔

تعلیم وتبلیغ میں فاسد نیتیں

لیکن اللہ نہ کرے اگر اس نے اپنے وعظ و بیان سے یہ مقصود بنایا ہو کہ:۔

- لوگ میری طرف متوجہ ہوں اور میری قدر کریں۔
- مجھے دعوتوں اور اہم شہرت وعزت کے پروگراموں میں بلایا جانے لگے۔
- لوگ میرے معتقد ہوجائیں اور مجھے ہدایا وتحائف دیا کریں۔
- لوگ مجھے دینی اعتبار سے ایک بڑا عالم سمجھ کر میری عزت کریں۔
- لوگ مجھے اپنی پوری قوم کا مقتدا اور لیڈر تسلیم کریں۔
- لوگ بیان سنیں گے،معتقد ہوں گے تو مدرسہ کو چندہ دینے لگیں گے۔
- کبھی کبھی لوگ مفت میں حج وعمرہ کرایا کریں گے۔
- اِسی طرح بذریعہ بیان مشہور ہوجاؤں گا تو بیوی بچوں کا پالنا آسان ہو گا، کیونکہ تمام معاملات میں لوگ خاص عزت ورعایت کریں گے۔وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے اے میرے واعظین ومبلغین بھائیو! ہمیں اپنی نیتوں کا خوب محاسبہ کر لینا چاہئے۔

خانقاہ میں مسندِ اصلاح وتزکیہ پر ہو کر صحیح نیت

اِسی طرح خانقاہوں میں بیٹھنے والے اور قوم کی روحانی رہنمائی وقیادت کرنے والے حضرات بھی نبوت کے فرائض میں سے بڑا فریضہ یعنی احسان وتزکیۂ نفس کے شعبہ کو زندہ کرنے کے کام میں

لگے ہوتے ہیں، جو کہ تمام شعبوں کے لئے روح اور جان کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ نجات تزکیہ پر موقوف ہے اور تزکیہ کا بنیادی جزء تصحیح نیت واخلاص ہے۔ بہرحال یہ کام بھی بڑا اونچا کام ہے۔

اس دینی خدمت میں ہماری نیت یہ ہونی چاہئے کہ اللہ عزوجل کی معرفت ومحبت اور قرب ونزدیکی اور قبول ورضا کے حصول میں جو چیزیں رکاوٹ ہیں اور جو دلی امراض اور روحانی بیماریاں ہمیں اپنے پیارے اللہ کے قرب سے دور کئے ہوئے ہیں ان کے بارے میں بندگانِ خدا کے سامنے خوب بیانات کریں گے اور خوب کھول کھول کر لوگوں کو ان کے فوائد ونقصانات سے آگاہ کریں گے، تاکہ صحیح طور پر روح کا علاج اور قلب کا تزکیہ ہوسکے۔ اور اس طرح اللہ کے عشاق اور سچے محبوبین کی ایک جماعت وجود میں آئے جو کہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں اور یہی گروہِ عاشقانِ مصطفیٰؐ اور اولیاءِ خدا وہ طبقہ ہے کہ جو روئے زمین پر اللہ کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

غرض یہ کہ ہماری نیت یہ ہونی چاہئے کہ:۔

- جو طالبین وسالکین ہماری خانقاہ میں آئیں ان کو اللہ کے بھیجے ہوئے بندے سمجھ کر ان کے ساتھ خاص نصیحت ومحبت والا معاملہ کریں اور ان کی تعلیم وتربیت کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی کمی وکسر نہ چھوڑیں۔
- راتوں کی خلوتوں اور دنوں کی جلوتوں میں ان کے لئے خاص دعاؤں اور ہدایتوں کا پورا اہتمام کریں۔
- ان کے اوقات ضائع نہ ہونے پائیں، اور وہ یہاں سے خوب سے خوب بن کر نکلیں۔
- ان کو اللہ کے ایسے عاشق بنانے کی فکر اور نیت ہو کہ وہ پھر جہاں بھی اللہ کے بندوں میں جلوہ افروز ہوں تو ان میں اللہ کی محبت کی آگ لگادیں۔
- جہاں تک ہوسکے ان میں پائی جانے والی روحانی بیماریوں کے بارے میں پوری فکرمندی کے ساتھ ان کے لئے دعائیں کریں اور ان کو خوب ہدایتیں ونصیحتیں کرتے رہیں اور ان کے علاج کی ہر ممکن تدبیر کریں۔

ذکر وفکر میں اخلاص معلوم کرنے کا تھرمامیٹر
از حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرمایا کہ:-ذکر وفکر، محاسبہ ومراقبہ میں جو شخص لگتا ہے وہ مخلص ہے یا مکار؟ اس کا تھرمامیٹر لیجئے:-

"اگر ذکر وفکر، محاسبہ ومراقبہ کے ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش اور دعا بھی کرتا ہے اور اس کا کچھ کچھ اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے، یعنی گناہ چھوٹ رہے ہوں تو سمجھ لیں کہ وہ مکار نہیں، بلکہ مخلص اور سچا عاشق بننا چاہتا ہے"۔

کوشش کا مطلب یہ ہے کہ کسی ماہر امراضِ باطن کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرے، اسے اپنے گناہ بتا کر گناہ چھڑانے کے نسخے حاصل کرے، اپنے حالات کی اطلاع اور مصلح کی ہدایات کے اتباع کا سلسلہ جاری رکھے۔

اپنے خیال کے مطابق گناہ چھوڑنے کی کوشش کافی نہیں، آخرت بنانے کے لئے ایک مخصوص قسم کی کوشش ضروری ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا

(الإسراء:۱۹) یعنی "جو شخص آخرت چاہے گا اور اس کے لئے اس کی مخصوص قسم کی کوشش بھی کرے گا، بشرطیکہ وہ مؤمن بھی ہو، سو ایسے لوگوں کی یہ کوشش مقبول ہوگی"۔ (جواہر الرشید: ۱/۱۱۳)

خانقاہ میں مسندِ ارشاد وتربیت پر ہو کر فاسد نیتیں

اور اگر خدانخواستہ خانقاہوں میں بیٹھنے اور ان میں اپنے مریدین کو جمع کرنے کے مقاصد یہ ہوں کہ:-

- اے لوگو! یہ دیکھو مجھے کتنے ماننے والے لوگ ہیں اور لوگوں میں میری کیسی عزت ہے، کتنی تعداد میں لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہیں۔
- جس طرح میرے والد کی لوگ عزتیں کرتے تھے، میری بھی عزتیں ہوں گی اور خانقاہ کی

برکت سے ہرقسم کے لوگوں کا ایک مجمع ملا رہے گا۔

- مدرسہ کے چلانے میں آسانی رہے گی، لوگ آئیں گے، مرید ہوں گے، معتقد ہوں گے تو پھر ان کی زکوٰۃ وصدقات پیر صاحب ہی کے مدرسہ میں لگے گی، یہ تو بلا مانگے چندہ کا بڑا اچھا طریقہ ہاتھ آ گیا ہے۔
- مریدین میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، فقیر وغریب اور وزیر وامیر، تو جب مرید حج وعمرہ پر جائے گا، ظاہر ہے وہ پھر یہ چاہے گا کہ پیر صاحب بھی ساتھ جائیں، تو چلو اس بہانہ سے مفت حج وعمرہ کا موقع ملے گا۔
- اس خانقاہ کے ذریعہ اپنا ایک نام باقی رہے گا، لوگوں میں کچھ چرچا بھی رہے گا، لیکن اگر اسے چھوڑ دیں تو پھر اس بہانہ اور ذریعہ سے جو عزت ملی ہوئی ہے، سب ختم ہو جائے گی۔
- لوگوں میں اپنا کچھ نمایاں مقام رکھنے کے لئے خانقاہی نظام ایک اچھا سلسلہ ہے، کچھ نہ کچھ لوگ مرید بھی ہوتے رہتے ہیں اور ویسے بھی ارد گرد بیٹھنے والے جمع رہتے ہیں، بغیر اس کے تو پھر ساری آؤ بھگت اور نام ومقام سب ختم ہو جائے گا، اور رشدہ شدہ ہم بھی عام لوگوں کی طرح ہو جائیں گے۔
- اس خانقاہی نظام کی بدولت دعوتیں اور ہدایا وتحائف وغیرہ کا ایک سلسلہ رہتا ہے، بغیر اس کے تو سب ختم ہو جائیں گے، اس لئے اس نظام کو باقی رکھنا اور چلانا بہت ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ، یہ ساری فاسد نیتیں ہیں جو بظاہر دیندار مسلمان کو بھی "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ" (الحج:۱۱) کا مصداق بنا دیں گی اور خطرہ ہے کہ ہم "اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (الکہف:۱۰۴) کا مظہر ہو کر کہیں اس گروہ میں شامل نہ ہو جائیں۔

مدرس کی تدریس میں اخلاص وریا

تدریس یعنی مدرسوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم دینا اور طلبۂ علومِ دینیہ کو پڑھانا یہ بہت بڑی عبادت ہے اور ارشادِ ربانی "وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ

وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ" (آل عمران:۷۹) میں بقول حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوّر اللہ مرقدہ اس طرف اشارہ ہے کہ ربانی ہونے کے لئے تعلیم و تدریس کتاب کی ضرورت ہے۔ تو یہ عظیم کارنامہ ظاہر ہے مدارس و مکاتب میں علماء حضرات ہی انجام دے رہے ہیں، کیونکہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے مراکز یہی ہیں۔

بہر حال اے علمائے کرام! آپ کا یہ تعلیم و تدریس والا مشغلہ بہت بڑی عبادت ہے، اور حضور ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ایک بڑے فریضہ کی انجام دہی پر مشتمل ہے، اس لئے عند اللہ آپ کا درجہ بھی بہت بڑا ہوگا۔

بس اتنی بات ضروری ہے کہ پڑھانے میں مخلصانہ جذبہ اور ہمدردی و خیر خواہی والی نیت ہو کہ میں اپنی تدریس کے ذریعہ اللہ کا مقرب بن جاؤں، لہٰذا ایک مخلص مدرس کو چاہئے کہ خوب ذوق و شوق اور جوش و جذبہ کے ساتھ رات و دن کی محنتوں اور شب و روز کی قربانیوں اور دعاؤں کے ساتھ طلبہ کو قوم کی امانت سمجھتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے اور پوری دُھن اور دھیان کے ساتھ انہیں دین کے عالم و فاضل اور واعظ و داعی اور مبلغ و معلم بنانے میں لگا رہے۔

تدریس کی عظیم خدمت کو ضائع ہونے سے بچائیں

لیکن اگر اللہ نہ کرے ہماری تعلیم و تدریس کے قیمتی ایام بس اِسی فکر اور دُھن میں ختم ہو گئے کہ:۔

- میں کتابیں ایسی شاندار پڑھاؤں کہ پورے مدرسے میں میری خوب مقبولیت ہو، تمام طلبہ و اساتذہ کے درمیان میرے اندازِ تدریس کا چرچا ہو اور خوب مطالعہ کر کے بڑی لمبی لمبی تفصیلی بحثیں اسباق میں صرف اس لئے کی جا رہی ہیں کہ طلبہ کے درمیان میرے علم و فن اور فضل و کمال کا خوب شہرہ ہو، اور یہی وجہ ہے کہ چھوٹے درجات کی کتابوں کو پڑھانا بالکل پسند نہیں ہے، کیونکہ ان میں اتنی شہرت و ناموری کا موقع نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے تقسیمِ اسباق کے

وقت بہت سی مرتبہ لڑائی جھگڑے اور اختلاف تک کی نوبت پیش آجاتی ہے، اور اندر اندر ایک دوسرے سے شدید حسد وبغض پکتا رہتا ہے۔

کسی کو ترمذی چاہئے، کسی کو بخاری، کسی کو جلالین چاہئے، کسی کو مشکوٰۃ اور کسی کو مسلم وابو داؤد چاہئے، تو کسی کو بیضاوی وہدایہ وغیرہ وغیرہ، کیونکہ مدرسہ سے باہر لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھاتے ہو تو اگر کوئی چھوٹی موٹی کتاب پڑھاؤں گا تو پھر بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو گی اور اپنا کوئی مقام اور حیثیت بھی لوگوں میں اچھی بن کر نہ ابھرے گی، اور جو شہرت ومقبولیت لوگوں میں مقصود ہے اِن چھوٹی کتابوں کے ذریعہ حاصل نہ ہو سکے گی۔

منصبِ شیخ الحدیث کے لئے جھگڑنا اچھی نشانی نہیں ہے

بڑے دکھ اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بعض مدارس میں تو منصبِ شیخ الحدیث کے لئے لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ سے مدرسہ میں دو گروپ بن کر کبھی پورا مدرسہ شدید خلفشار اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

- یا اسی طرح بسا اوقات مدرس خدانہ کرے، مدرسہ میں تدریس کو دنیوی کالجوں ویونیورسٹیوں اور اسکولوں سے بڑی بڑی ڈگریاں پانے والوں کے پڑھانے کی طرح اپنا ایک پیشہ اور Job سمجھ کر انجام دیتا ہے۔ کون طالب علم بنے اور کون بگڑے، کس نے کیا سیکھا اور کیا نہ سیکھا اور کون محنت سے پڑھتا ہے کون نہیں؟ ان سب سوالات سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک وقت مقرر پر مدرسہ میں آیا اور اپنی رسمی ڈیوٹی پوری کر کے واپس چلا گیا۔

اسی لئے اس شخص کو جہاں جس ادارہ ومدرسہ میں اچھی معقول تنخواہ مل رہی ہو اور خوب عمدہ Facilities یعنی انتظامات ومراعات اور سہولتیں حاصل ہوں، مکان وغیرہ اچھا ہو اور تنخواہ بھی معقول ہو تب تو یہ وہاں جاتا ہے، ورنہ نہیں جاتا ہے۔ تو یہ سب دنیاداری

ہے اور اس کا اخلاص سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

➢ اور کبھی تو پڑھانے والے کے پیشِ نظر بس یہی رہ جاتا ہے کہ میاں اچھی تنخواہ ہے اور رہنے کے لئے مکان بھی ملا ہوا ہے تو گذارہ کا ایک اچھا راستہ ہے، ورنہ مجھے کوئی دنیوی فن تو آتا جاتا نہیں ہے اور نہ ہی بچپن سے محنتِ بدنی کی عادت ہے، اس لئے بس مدرسہ ہی میں پڑے رہو۔ رہ گیا یہ کہ:-

❖ طلبہ کی تعلیم اور ان کی تربیت کے لحاظ سے مدرسہ ترقی پر ہے یا نہیں؟
❖ ان کو ان کے اسباق یاد ہیں یا نہیں؟
❖ ان میں اخلاق کی بلندی آرہی ہے یا پستی کی طرف چلے جارہے ہیں؟
❖ مدرسہ اپنے مقاصدِ دینی کے اعتبار سے عروج پر ہے یا زوال پر؟ اس سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کو اس سے کوئی مطلب رہتا ہے کہ ان طلبہ کو اِس لائق بنانا ہے کہ وہ مستقبل میں دینی میدانوں اور ایمانی و اصلاحی راہوں میں امت کی قیادت کرسکیں۔

آہ! بعضوں کا تو مقصدِ اصلی ہی تنخواہ ہوتی ہے

➢ اور کبھی تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ دینی مدرسہ کے عالم و فاضل ہونے کے باوجود اپنا مقصدِ اصلی ہی تنخواہ کو بنا کر چلتے ہیں کہ جہاں بھی تنخواہ زیادہ ملے وہیں پر بھاگ جاتے ہیں اور اسی جگہ کو ترجیح دیتے ہیں جہاں تنخواہ کافی معقول ہو، سہولتیں اچھی ہوں، خواہ پڑھانے کا کام اور علمی مشاغل بہت ہی کم ہوں، نہ طلبہ کی خاص تعداد ہے اور نہ ہی کوئی خاص علمی چہل پہل ہے، پھر بھی وہاں رہنا پسند ہوتا ہے، جبکہ دوسری بعض اچھی جگہیں جن میں درس و تدریس کے لحاظ سے ماشاءاللہ خوب رونق ہے اور طلبہ کی بھی اچھی خاصی چہل پہل ہے، تعلیمی و تربیتی میدان میں آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع بھی میسر ہیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود وہاں چھوڑ کر پہلی جگہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لئے ایسے لوگ بار بار جگہیں بدلتے رہتے ہیں، کہیں پر بھی ایک جگہ جم کر کام نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ "**مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ**" (الشوریٰ:۲۰) آخرت

میں دینی خدمت کے اجر وثواب کا کوئی بھی حصہ ان کے لئے نہیں ہے۔

یہاں اگر میں یہ عرض کر دوں تو شاید غلط نہ ہو گا کہ ایسے حضرات سے اچھے تو وہ مسلمان ہیں کہ جو دنیا کے ذریعہ دنیا کماتے ہیں، یعنی دنیوی کاروبار وملازمت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ مال کماتے ہیں، اور اپنے ضروری فرائض نماز روزہ وغیرہ اپنے اپنے وقت پر انجام دیتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے کام میں اخلاص وریا

بلاشبہ یہ کام بڑا مبارک اور عند اللہ بہت محبوب کام ہے، تبلیغ ہی وہ تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا اور جس کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ عزوجل کا تعارف کرایا اور اللہ کے دین کی دعوت دی، اور دین وشریعت کے احکام پہونچائے۔ اب جبکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، تو یہ کام اس امت کے اہل افراد کے ذمہ لگایا گیا ہے، یعنی گویا کہ یہ نبوی تحفہ وعطیہ حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت کی برکت سے اب اس امت کے اہل افراد کو دے دیا گیا۔

داعی کو اپنی دعوت میں کیا نیت کرنی چاہئے؟

رہ گئی یہ بات کہ اس کام کے ذریعہ اخلاص والی نیت کیا کرنی چاہئے؟ سو وہ یہ ہے کہ:-

- میں اس محنت کے ذریعہ لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے راتوں میں اٹھ اٹھ کر مانگتا رہوں گا۔ نمازوں کے بعد دعا کرتا رہوں گا، تو دوسری طرف پوری عظمت وادب کے ساتھ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلاؤں گا، تاکہ اللہ عزوجل مجھ سے راضی ہو جائیں اور مجھے قیامت کے دن خوب اجر وثواب ملے اور دنیا وآخرت کی ہر طرح کی راحت وعافیت اور خوشی حاصل ہو اور رنج وغم اور حزن وملال اور خوفناک مناظر وخطرناک گھاٹیوں سے میری حفاظت ہو جائے۔

- قیامت کے دن اللہ کے دین کے خدام اور حضور ﷺ کے سچے وارثین و نائبین میں میرا شمار ہو اور اسی مبارک جماعتِ اولیاء و علماء کے ساتھ میرا حشر ہو۔
- میں اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سر بلندی کے لئے اس کی دی ہوئی تمام قسم کی جانی و مالی اور علمی و دماغی صلاحیتیں خرچ کر ڈالوں اور گویا کہ یہ سب کچھ جس نے دیا ہے اسی پر فدا ہو جائے۔
- مجھے دنیا میں اپنے نام یا مقام یا شہرت و عزت سے کوئی مطلب و واسطہ نہیں ہے۔ اگر اللہ راضی ہو اور یہ سب کچھ مل جائے تو بہت اچھا، اور اگر اللہ راضی ہو اور یہ سب کچھ نہ ملے تو بھی بہت اچھا، یعنی مقصودِ اصلی رضائے الٰہی ہو اور بس۔ باقی سب چیزیں ضمنی و تبعی ہوں، مقصود نہ ہوں۔

جس کا خلاصہ دو جملوں میں یہ نکلتا ہے کہ داعی کو چاہئے کہ اللہ کے دین کی محنت اور جدوجہد خالص اللہ کے لئے کرتے ہوئے اپنے لئے دنیوی انعامات عزت و راحت کا ملنا وغیرہ یہ سب تجویزیں چھوڑ کر بدلہ اور انجام کو تفویض کر دے، یعنی اللہ عزوجل کے حوالہ کر دے کہ اچھی خوشحال، باعزت اور خوشیوں والی زندگی کا سوال تو ہے اور تمنا بھی ہے، مگر اعمالِ دین کے ذریعہ سے ان کو چاہنا نہیں ہے، بلکہ ہر حال میں اللہ سے خوش رہنا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں اخلاص کا تھرمامیٹر

از حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرمایا کہ:- جو شخص دین کی کسی خدمت میں مشغول ہو، جیسے درس و تدریس یا دعوت و تبلیغ وغیرہ اس میں اخلاص ہے یا نہیں؟ اس کا تھرمامیٹر لیجئے:-

اگر اس میں پانچ علامات پائی جائیں تو اخلاص ہے، ورنہ نہیں۔ علامات یہ ہیں:-

۱۔ گناہوں سے بچتا ہو، بلکہ جتنا لوگوں کو کہتا ہے اس سے زیادہ خود عمل کرنے اور گناہ چھوڑنے کا اہتمام کرتا ہو، دوسروں کی فکر سے زیادہ اپنی فکر ہو۔

۲۔ طبعاً خلوت پسند ہو، مجالس میں بقدرِ ضرورت ہی بیٹھے۔

۳۔ خدماتِ دینیہ کے عدمِ قبول کا خطرہ لاحق رہے۔

۴۔ کام میں ترقی کی صورت میں "استدراج" سے خائف رہے۔

۵۔ یہ خطرہ رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ یہ توفیق سلب کر کے محروم نہ فرمادیں۔ (جواہر الرشید: ۱۱۴/۱)

دعوت وتبلیغ کی موجودہ محنت میں لگنے کی فاسد نیتیں

لیکن اگر کوئی شخص اس مبارک کام میں اس لئے شرکت کرتا ہے کہ:-

- جماعت والوں کے ساتھ ربط رکھنا اور وقتاً فوقتاً ان کے ساتھ بیٹھنا چاہئے اور کبھی کبھی گشت وغیرہ میں جُڑنا چاہئے، کیونکہ آج کل ان کے بغیر کام نہیں چلتا ہے، تو پھر یہ اخلاص نہیں ہے۔
- یا اس لئے دعوت کے کام میں جُڑتا اور اس کے پروگراموں میں شرکت کرتا ہے کہ کبھی کبھی جماعت کے مالدار ساتھیوں، اور بڑے عہدیداروں اور ڈاکٹروں یا تاجروں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، تو اس شرکت کی برکت سے بڑے فائدے ہوں گے، اور رعایتیں ہوں گی، کیونکہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے ایک گونہ ربط وتعلق تو ہو ہی جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ پھر بوقتِ ضرورت یہ تعلق نافع اور کار آمد بھی ضرور ہوا کرتا ہے۔
- یا یہ کہ ان حضرات کے ساتھ جُڑنے سے مرکز میں اور شہر کی مختلف مساجد میں ایک اچھا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اور ویسے تو کوئی ہمیں کیا جانے؟ لیکن اس کام کی برکت سے کم سے کم کبھی کبھی بیان کا موقع ملتا ہے، تو دور دور تک لوگوں میں اور خاص طور پر اپنے شہر میں ایک اپنا نام سا ہو جاتا ہے، اور بغیر اس کے وہ پہچان نہیں ہو سکتی جو اس جماعت میں نکل کر ہونے کی توقع ہے۔
- جب یہ دوستی وتعلق قائم ہو جاتا ہے تو گھر کے بہت سے کام کاج اپنی عدم موجودگی میں بھی آسانی سے جماعت کے ساتھیوں کے ذریعہ پورے ہو جاتے ہیں، اور مشکل پڑنے کے وقت

میں یہ سب کام آتے ہیں، اس لئے بھائی بہت اچھا کام ہے، ضرور اس میں شرکت کرنا اور جُڑنا چاہیئے۔ اور دین کے دوسرے کسی بھی کام میں جُڑ کر یہ فائدے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔

➢ اور اگر ذرا بیان وغیرہ کرنا آتا ہو تو پھر تو یہ بھی فائدے ہیں کہ لوگ معتقد ہو جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ دعوت کی محنت اس وقت کا سکہ رائج الوقت ہے، اس لئے بھائی چلو اس میں چلہ اور چار مہینہ ضرور لگالیں، ورنہ اس کے بغیر جماعت کے ساتھی ہمیں دل سے نہیں چاہیں گے۔ اور اس میں وقت لگانے کے بعد پھر تو اس کی برکت سے نئے جُڑنے والے ساتھیوں پر اچھی خاصی سرداری اور دینی بڑائی کا موقع مل جائے گا، اور بسا اوقات لوگ امیر صاحب بنا دیتے ہیں تو اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا تو کہنا ہی کیا ہے؟

اخلاص نہ ہو تو کسی بھی عمل کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی

تنبیہ :- اس قسم کی نیتیں سب کی سب حبِّ جاہ ہیں، بظاہر ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، لیکن اگر اوپر ذکر کی ہوئی نیتوں میں سے کوئی نیت ہمارے دل کے نہاں خانوں میں کہیں چھپی ہوئی ہوگی تو یاد رکھئے کہ یہ ساری محنت دین و دنیا دونوں میں خسارے اور نقصان و محرومی کا باعث ہوگی، اور جو فضیلتیں شریعتِ اسلامیہ میں کسی بھی عمل پر آئی ہیں وہ سب اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ وہ عمل اول تو شرعی طریق کے مطابق ہو اور پھر دوسرے یہ کہ مکمل اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو گئی تو وہ عمل اس فضیلت کا مصداق نہیں رہتا ہے۔

جیسے مثال کے طور پر شریعتِ اسلامیہ میں تلاوتِ قرآنِ کریم کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، مگر یا تو قرآنِ کریم کو غلط سلط طریقہ پر پڑھا گیا، یا یہ کہ پڑھا گیا تو بہت عمدہ اور اچھے طریقہ پر خوب مزین اور خوبصورت آواز کے ساتھ، مگر اس میں اخلاص نہ تھا، تو ان دونوں صورتوں میں اس تلاوت پر نہ صرف یہ کہ ثواب نہ ہوگا، بلکہ عذاب لازم ہو جائے گا۔

اس لئے حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ اخلاص کی ضرورت واہمیت بہت ہی زیادہ ہے، تو اس کی تحصیل کی فکر بھی یقیناً اتنی ہی اہم اور ضروری چیز ہے۔

تصنیف وتالیف میں اخلاص وریا

کتابوں کی تصنیف وتالیف ایک ایسا عظیم دینی کارنامہ ہے کہ جب تک وہ کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی رہیں گی تب تک اس کا اجر وثواب مصنف کو ملتا ہی رہے گا، بس بنیادی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مخلصانہ نیت کیا ہو؟ سو احقر نے اپنے اکابر اور بزرگوں کی صحبت کا جو کچھ فیض اٹھایا اس کی روشنی میں عرض ہے کہ:-

جب ہم کوئی کتاب تصنیف وتالیف کرنے چلیں تو سب سے اول اپنے دل سے سوال کریں کہ:-

- اس دینی خدمت کے پیچھے کیا نیت ہے؟
- اس کتاب کی تصنیف وتالیف کا کیا داعیہ ہے؟
- کیا عوامل واسباب اس کے باعث اور محرک ہیں؟

تصنیف وتالیف میں اخلاص والی نیت

سو اگر مقصود اور بنیادی غرض یہ ہے کہ کتاب تحریر کر کے فلاں مضمون کے متعلق مسلمانوں کو شریعت کے احکام سے مطلع کروں اور چونکہ میری معلومات کے مطابق اس موضوع پر اب تک ایسی کوئی خاص کتاب موجود نہیں ہے، اس لئے میرا مقصد یہ ہے کہ دین کا یہ حکم جو آج کل لوگوں میں چھوٹ چکا اور مردہ ہو چکا ہے اس کو زندہ کروں، اس کے وہ تمام گوشے اور پہلو جو میرے ذہن میں ہیں ان تمام پہلوؤں پر عام طور پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے، یا اگر موجود بھی ہے تو وہ حالاتِ حاضرہ اور میری قوم وملک کے رہنے والوں کے مزاج کے لحاظ سے ترتیب دی ہوئی نہیں ہے، اس لئے ضرورت پیش آ رہی ہے کہ اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے، اور کوئی مفید رسالہ تیار کیا جائے، تا کہ یہ دینی مضمون لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور ان کی زندگی بدل جائے اور اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔

یہ سب مخلصانہ جذبات پر مشتمل نیتیں ہیں جو سب کی سب دلیل ہیں اُس مصنف کے کمالِ اخلاص کی، اسی لئے حضرت مفتی رشید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "میں جب کسی موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں اور پھر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر پہلے سے ایک اچھا رسالہ موجود ہے تو میں نئی کتاب لکھنے کا ارادہ ترک کر دیتا ہوں، اگرچہ کبھی کبھی اس کتاب کے بہت سے صفحات لکھے جا چکے ہوں"۔

کیونکہ بصورتِ دیگر یہ سمجھا جائے گا کہ مقصود کتاب اور اس کے مضامین کو لوگوں میں پھیلانا اور پہونچانا نہیں ہے، بلکہ اپنا نام لوگوں میں پہنچا کر لوگوں کی واہ واہ لینا، اور اپنی تعریف اور تعارف و پہچان کرانے کے لئے کتاب تصنیف کرنا ہے، ورنہ تو اُسی دوسری کتاب کو متعارف کرا کر اس دینی حکم سے لوگوں کو آگاہ اور مطلع کر دیا جائے۔

ہمارے اکابر کی تصنیفات کی مقبولیت کا راز ان کا کمالِ اخلاص ہے

بہر حال خلاصہ یہ کہ مخلصانہ نیت اور جذبہ کے ساتھ اگر تصنیف و تالیف کا کام ہو تو یہ بڑی عظیم دین کی خدمت ہے، چنانچہ ہمارے بہت سے اکابر و مشائخ نے ساری دنیا میں اپنی دینی و اصلاحی کتابوں کے ذریعہ ایک غلغلہ مچا کر رکھ دیا ہے، اور گھر گھر ان کی کتابوں نے ایک انقلاب برپا کر ڈالا ہے۔

جن میں سر فہرست ہمارے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور پھر دوسرے بہت سے اکابر و مشائخ جیسے میرے شیخ و مرشد حضرت والا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و ملفوظات اور تصنیفات و تالیفات کو بھی اللہ عزوجل نے ایسی ہی مقبولیت و شہرت عطا فرمائی کہ نہ صرف ایشیا کے ممالک، بلکہ دنیائے عرب و عجم کے بہت سارے ملکوں میں حضرت والاؒ کی کتابیں مختلف زبانوں میں ترجمے ہو کر پہونچیں اور لوگوں میں نیکیوں اور اچھائیوں کی طرف خوب تبدیلیاں آئیں اور بڑا فیض ہوا اور درحقیقت یہ تالیفات کا اس طرح مقبول ہونا بھی ان حضرات کے اخلاص و للّٰہیت کی دلیل ہے۔

تصنیف وتالیف میں غیر مخلصانہ نیتوں کی شکلیں

لیکن میرے بھائیو! اگر اس سلسلہ میں اخلاص پیشِ نظر نہ رہے، بلکہ مثال کے طور پر نیت یہ ہو کہ:-

- اب میں بھی تصنیف وتالیف کا کام شروع کرتا ہوں، کیونکہ یہ تو بہت جلد دور و قریب ہر طرف لوگوں میں مقبول ومشہور ہونے کا بڑا اچھا راستہ ہے۔ دیکھو صاحب! فلاں فلاں مصنف آج دنیا بھر میں کتنے مقبول ہیں، اور اس کا سبب بس یہ ہے کہ انہوں نے کچھ ایسی کتابیں لکھ دی ہیں جو بے حد مقبول ہوئیں، تو یہ مولانا بڑے شہرت یافتہ شخصیت بن گئے ہیں، اس لئے چلو ہم بھی ذرا حالاتِ حاضرہ کے حساب سے ابھرتے موضوع پر کوئی کتاب لکھ کر کے چھاپ دیں۔
- یا پھر یہ کہ یہ بھی کمائی کا بڑا اچھا ذریعہ ہے۔ دیکھو صاحب! فلاں شخص نے دو چار کتابیں لکھی ہیں، اب اس پر وہ اتنا کما رہے ہیں کہ محض اس کی بدولت خاصے مالدار ہو چکے ہیں، اور چونکہ کتابوں کے حقوقِ طباعت خاص کتب خانہ کو دے دینے کی صورت میں ان کی طرف سے بہت اچھا معاوضہ ملتا ہے، تو اس طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنی علمی صلاحیت تصنیف وتالیف کے میدان میں لگاؤں تو مال بھی ملے گا اور دین کی خدمت بھی ہو گی۔

تو یاد رکھنی چاہئے یہ بات کہ اس صورت میں خدمتِ دین کے سلسلہ میں اخلاص باقی نہیں رہا، کیونکہ غرضِ تصنیف وتالیف مال و دولت کا حصول ہو گیا ہے۔

- یا پھر کبھی ایسا مقصد ہوتا ہے کہ علم وتحقیق کی دنیا میں اپنا مقامِ بلند لوگوں پر واضح کرنا ہے کہ دیکھو میں کس قدر فضل و کمال اور علم وتحقیق والا عالم و فاضل اور محقق ہوں۔ اس لئے پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ خوب مدلل کر کے کتاب تصنیف کی ہے، اور پھر اس امید میں ہے کہ:-
  - میری تصنیف وتالیف کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد لوگ میری تعریف و توصیف کر رہے ہیں یا نہیں؟

- ❖ اور میرے علم وتحقیق کالوہا مان رہے ہیں یا نہیں؟
- ❖ اور میری تصنیف وتالیف کی عمدگی پر مجھے داد مل رہی ہے یا نہیں؟

یہ سب خیالات وتصورات اور ارادے ونیتیں غیر مخلصانہ ہیں جو اجر وثواب کو باطل اور ختم کر کے رکھ دیتی ہیں۔

➢ کچھ لوگ اس خیال کے بھی ملتے ہیں کہ چلو بھائی کچھ کتابیں اور شروحات وغیرہ لکھیں تاکہ لوگ ہم سے حالتِ حیات میں تو متعارف ہو ہی جائیں گے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ وفات کے بعد بھی جب تک کتابیں رہیں گی تو لوگوں میں ہمارا نام باقی رہے گا، ورنہ مرنے کے بعد کون کس کو یاد کرتا ہے؟ تو گویا کچھ دنوں تک اپنا نام باقی رہے اور لوگ پہچانتے رہیں اس لئے کتابوں کی تصنیف وتالیف کا کام کیا ہے۔

➢ بعضوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ مجھے کسی بڑی جگہ میں تدریس کی خدمت کا موقع مل جائے تو وہ اس نظریہ سے کتابیں تصنیف کرتے ہیں کہ ان کتابوں کے ذریعہ وہاں کے ذمہ داروں اور مہتمم وغیرہ سے تعارف ہو جائے گا اور کسی درجہ میں اپنی صلاحیت کا بھی ان حضرات کو پتہ چل جائے گا تو پھر وہاں پر اپنا تقرر ہونا اور تدریس کا موقع ملنا آسان ہو گا۔

اِسی لئے جب نیت یہ ہوتی ہے تو مصنف کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی بہانہ سے ان کی لکھی ہوئی کتابیں بڑی بڑی درسگاہوں اور عظیم اداروں اور جامعات تک پہونچ جائیں، وغیرہ وغیرہ۔

➢ بعضے تو محض اتنا کرتے ہیں کہ کسی پرانی کتاب کی تمام چیزیں لے کر اور بس ذرا ذرا سی اِدھر اُدھر سے کچھ ترتیب بدل کر اس کو اپنے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔ ان کی اس کارروائی میں سوائے اپنا نام پیدا کرنے کے اور کیا نیت ہو سکتی ہے؟ یہ تو ریاکاری کے ساتھ ساتھ ایک طرح کی علمی خیانت بھی ہے۔ اگر اس موضوع پر کام کرنے اور لکھنے کا اتنا ہی شوق تھا تو اصل کتاب کو اس کے

اصل مصنف کے نام سے شائع کرادیتے،اور اس پر اپنی تعلیقات وحواشی کا تذکرہ کر دیتے۔
بہر حال مختصر عرض ہے کہ جہاں اپنے کسی عمل سے،تقریر وتحریر ہو یا تصنیف وتالیف اور دوسری عبادات صوم وصلاۃ وغیرہ ہوں،اللہ کی رضا کے علاوہ مخلوق سے کسی بھی طرح کا کوئی نفع حاصل کرنا پیشِ نظر ہوجائے تو پھر یہ عمل اخلاص کی حقیقت سے باہر ہوجاتا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں رہتا ہے۔

حج وعمرہ میں اخلاص وریا

کون نہیں جانتا ہے کہ اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے جانا اور مخصوص ارکان ادا کرنا جس کو اسلام میں حج وعمرہ کہا جاتا ہے،بڑی عبادات میں سے ہے اور افضل ترین ادائے بندگی ہے،اور مقبول ومبرور حج زندگی بھر کی تمام خطاؤں اور حقوق اللہ کی قبیل کے تمام حقوق کو ساقط کر دیتا ہے،اور مقبول حج وعمرہ انسان سے فقر کو دور کرتے ہیں،بہر حال پورے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ حج ہو،محض نام وشہرت کے لئے نہیں، کہ لوگ کہیں واہ جی واہ!فلاں صاحب کے تو دس سال ہوگئے ایک بھی حج فوت نہیں ہوا،سنا ہے کہ فلاں اس سال حج کو جارہا ہے،لوگوں میں خوب چرچا کر رکھا ہے اور سن سن کر خوب خوش ہورہا ہے۔ایک جملہ سے سارے حج وعمرے اور چلہ وسہ روزہ کا ثواب ضائع کر دیا، جیسا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے مہمان کو پانی پلانا چاہا تو اپنے خادم سے یوں کہا کہ اے ملازم! تو اس صراحی سے اس کو پانی پلا جو میں نے دوسری بار حج میں مکہ شریف سے خریدی تھی۔
حضرت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جس نے دو حج کئے تھے اور ایک جملہ سے دونوں حج کا ثواب ضائع کر دیا۔(روح کی بیماریاں اور ان کا علاج:ص ۱۴۵)
یا جیسے بعضے کہتے ہیں کہ بیس سال سے آج تک مستقل حج کے لئے جارہا ہوں،بس اِن بیس برسوں کے حج میں اِس سال تو بہت ہی لطف آیا اور بڑی سہولت کے ساتھ حج ادا ہوگیا،یا بعضے بیچارے ان

چیزوں کو نہ سمجھنے اور بزرگوں کی صحبت حاصل نہ ہونے کے سبب کہہ دیتے ہیں کہ پچیس سال سے آج تک رمضان ہمیشہ حرم میں گذارتا ہوں، ہائے افسوس! اتنے برسوں میں اس دفعہ ویزا نہ ملنے کی وجہ سے میں نہ جاسکا۔

بعض اسی طرح یوں کہیں گے کہ اتنے برسوں سے میرا چلہ اور سہ روزہ ناغہ نہیں ہوا، بس اِس مرتبہ تو یار بہت ہی غمگیں ہوں کہ چلے میں نہ جاسکا۔ کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔

صاحبو! اِن مذکورہ بالا حضرات کو اپنے اس سال کے اعذار و حالات کو بتانے کے لئے کیا ضرورت تھی کہ ماضی کے متعلق وہ جملہ بڑھائیں۔ ٹھیک جس طرح بقول حضرت تھانویؒ اس شخص نے اپنے ایک جملہ میں دونوں حجوں کا ثواب ضائع کر دیا، بالکل اسی طرح ان حج کرنے اور عمرہ کرنے والے بھائیوں اور چلہ لگانے والے صاحب نے اپنے سارے چلوں اور حجوں اور عمروں کا ثواب ایک جملہ بول کر ختم کر دیا، کیونکہ اس نے سامنے والے کو یہ بھی بتا دیا کہ میں نے اتنے عمرے اور اتنے حج کئے ہیں اور میں نے اب تک اتنے چلے لگائے ہیں، جبکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، یعنی یہ اظہار اپنے موقع پر نہیں تھا، بلکہ بالکل بے موقع اور بے محل تھا۔

حاجی کو بار بار حج و عمرہ کرنا مبارک ہو، مگر!

اسی لئے حاجی کو حج کے لئے بار بار خوب جانا چاہئے اور ہو سکے تو ہر سال حج کرنا چاہئے، بڑی سعادت کی بات ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو اخفاء کے ساتھ کرے، اور پھر اپنے طور پر اس کے اظہار سے بچے، ہاں اگر منجانب اللہ لوگوں کو اطلاع ہو اور وہ دعائیں دیں اور مبارکبادی پیش کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اپنی جانب سے نہ اظہار ہو اور نہ تمنائے ظہور ہو، نہ اپنی تعریف وتشہیر کی رغبت دل میں ہو، تو پھر اگر لوگوں کے دلوں میں شہرت ومقبولیت ڈالی جائے اور یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ مقبول حاجی کیلئے منجانب اللہ ایک اکرام واعزاز دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، تو یہ اللہ کا انعام ہے۔

اِسی لئے ہمارے بعض اکابر حضرات کے واقعات میں ہے کہ جب وہ حج کو گئے تو ایسا اخفاء رکھا کہ کسی کو کچھ نہ بتایا، اور وقت کے وقت پر حج کی تیاری کرلی، مگر ان کے اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے یہ ہوا کہ باوجود پورے اخفاء کے اللہ تعالیٰ نے ان کے سفرِ حج کو لوگوں میں خوب مشہور کردیا اور لوگوں کے قلوب ان کی طرف متوجہ ہوگئے، اور لوگ جوق در جوق راستہ میں ان سے ملنے کے لئے آنے لگے۔

اب تو ستم بالائے ستم یہ ہونے لگا، جس کو احقر نے بعض مقامات پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حاجی صاحب کی گاڑی جو ائرپورٹ جارہی ہے اس پر بڑا سا ایک اشتہار لگا ہے اور پورے علاقہ میں حاجی صاحب کے حج کی خوب دھوم دھام ہورہی ہے اور حاجی صاحب بھی اس پر دل سے خوب خوش ہیں کہ آج سے لوگ حاجی صاحب کہیں گے اور اکرام واحترام کا معاملہ کریں گے۔ یہ سب ریاکاری کے مظاہر ہیں۔ ان سے بہت بچنے کی ضرورت ہے۔

شادیوں اور ولیموں میں اخلاص وریا

نکاح ایک عبادت ہے، گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو اور شوہر مہر کی رقم خواہ فوری طور پر ادا کردے یا بعد میں دینے کا وعدہ کرے، بس اتنی سی کارروائی کے بعد یہ عبادت مکمل ہوگئی۔ لڑکا و لڑکی ایک دوسرے کے لئے شوہر و بیوی بن گئے اور حلال ہوگئے۔

اب مزید یہ کہ باہم خلوتِ صحیحہ میں ملنے کے بعد سنت ہے کہ اپنے دوست واحباب اور اقرباء واعزاء کو ولیمہ کی دعوت دی جائے اور اس میں شریعت یہ چاہتی ہے کہ فقراء وغرباء کو بھی ضرور دعوت دی جائے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ شادی میں بارات کا اور جہیز دینے کا اور پھر اپنے رشتہ داروں اور برادری والوں کو اس کو دکھانے کا معاملہ اور ہر طرف ایک شہرہ، دھوم دھام، بڑے اونچے درجہ کے انواع و اقسام کے کھانے، اور جہیز میں بڑی بڑی گاڑیاں اور علاقہ میں بے مثال شادی کرنے کی فکر، تاکہ برادری والے نام نہ رکھیں اور ہر طرح سے رسوم ورواج میں ڈوبی ہوئی شادی کہ اس دن پورے

گاؤں میں اور ہر سمت پورے علاقہ میں اس شادی کے متعلق خوب چرچے ہو رہے ہوں اور جس گاؤں میں بارات آئی اور گئی ہے دونوں میں خوب عزت وعظمت اور بڑائی کی باتیں سنی جائیں۔ یہ سب کی سب ریا اور فخر ومباہات کی باتیں ہیں جو سخت گناہ ہیں۔

شادی میں ساری دھوم دھام کے پیچھے کیا چھپا ہے؟

مسلمانو! اچھی طرح سے یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ یہ سارا کا سارا دھندا جو آج شادیوں میں رچایا جا رہا ہے اس سب کی جڑ اور بنیاد دکھلاوا اور ریا کاری ہے، ہماری آج کل کی شادیوں میں گناہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں تو اور بہت ہیں، اس پر تو احقر انشاء اللہ کسی دوسرے رسالہ میں باقاعدہ تفصیل سے گفتگو کرے گا، لیکن یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر غور کریں تو آخر اس پوری دھوم دھام کے پیچھے سوائے اس کے اور کیا ہے کہ :-

- اے لوگو! دیکھو میں اتنی دھوم دھام سے شادی کر رہا ہوں، اندازہ لگاؤ کہ میں کتنا بڑا آدمی ہوں۔
- اور دیکھو پوری برادری میں کہیں کوئی مجھے نام نہ رکھ دے، کوئی حقارت کا جملہ نہ بول دے۔
- اور دیکھو میں بڑی دولت اور مال والا بڑا باعزت آدمی ہوں۔
- اے لوگو! دیکھو میں کتنے بڑے دل والا، کتنا سخی آدمی ہوں، کس قدر دل کھول کر خرچ کرتا ہوں۔ دیکھ لو کیسے دولت بہا ڈالی ہے۔
- اور میں اپنے علاقے کا معزز آدمی ہوں، اس لئے اپنی بیٹی کی تقریبِ نکاح میں اتنی بڑی دعوت بلائی ہے اور ایسی دھوم مچائی ہے۔
- اے شرکاء تقریبِ نکاح! یہ بات ذہن میں بٹھا کر جانا کہ ہم کوئی معمولی اور گھٹیا آدمی نہیں ہیں، دیکھو! کھانوں کی کتنی اقسام جمع کی ہیں؟ اور ہم نے اپنی بیٹی کو کتنا کچھ جہیز میں دیا ہے؟

خلاصہ :- سب کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ اے لوگو! دیکھ لو، میں ایسا ایسا آدمی ہوں،

مجھے کہیں کوئی حقیر وکمتر نہ سمجھ لے اور کہیں کوئی گھٹیا بات اور ذلت وحقارت کا جملہ نہ کہہ دے، بلکہ سب کے دلوں میں میری عزت وعظمت اور بڑائی قائم ہوجائے، بس یہ سب اغراض ہیں، اور یہ ساری کی ساری اغراض فاسدہ اور بیہودہ ہیں۔ ان سب کے پیچھے ریا کاری اور رسم ورواج کی پابندی کے سوا اور کچھ کارفرما نہیں ہے۔ قیامت کے دن جب اس ریا کاری اور اسراف وفضول خرچی اور رسم ورواج کی پابندی پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے، تب ان سب مصنوعی عزتوں اور بڑائیوں کا پتہ چلے گا۔

تعزیت وعیادت میں اخلاص وریا

اسلام میں عیادت اور بیمار آدمی کی مزاج پرسی کرنا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر منجملہ حقوق کے ایک حق ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہے تو چاہئے کہ دوسرا مسلمان بھائی اس سے ملاقات کرے اور جاکر اس کی مزاج پرسی کرے، خیر خیریت دریافت کرے، اور اسی طرح اگر کسی کے یہاں کوئی شخص انتقال کرجائے تو اس کی تعزیت کرنا اور اسے صبر کرنے پر اجر کی تلقین اور تسلی کی باتیں کرنا یہ بھی مسنون ہے، اور بڑے اجر وثواب والا کام ہے، اور شریعت میں ان دونوں باتوں پر بڑا اجر وثواب کا وعدہ ہے جو اپنی جگہ پر کتابوں میں بیان ہوا ہے۔

مختصر یہ کہ اس طرح کی ملاقاتوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت ومغفرت کا انعام بندہ کو نصیب ہوتا ہے، ستر ہزار فرشتوں کی دعا ملتی ہے، مگر آج کل صورتِ حال ایسی بنی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوا اور وہ کوئی بڑے عہدہ ومنصب والا ہے، جیسے علاقہ کا، یا حکومت کا کوئی بڑا آدمی ہے، یا مدرسہ کے مہتمم ، یا شوریٰ کے بڑے کوئی ممبر ہیں، تو الغرض یہ کہ بیمار کوئی بڑی شخصیت ہیں تو لوگ خوب ملاقاتوں کے لئے جاتے ہیں اور حوالہ وہی سنت ہونے کا دیا جاتا ہے اور اس کا اجر وثواب بھی بیان کیا جاتا ہے۔

یا کسی کے گھر جنازہ ہوا تو اگر وہ کوئی بڑی شخصیت ہے پھر تو روزانہ وہاں پر حاضری دینا اور تعزیت کے لئے مستقل لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔

لیکن اگر انتقال کرنے والا یا بیمار ہونے والا شخص کوئی معمولی آدمی ہو، نہ زیادہ دولتمند ہے، اور نہ اس کے پاس کوئی خاص منصب وعہدہ ہے تو پھر اے میرے بھائیو! ہمارا کیا حال ہوتا ہے؟ بس اسی کو سامنے رکھ کر احقر اس باب میں اخلاص وریا کا پیمانہ اور معیار وکسوٹی بیان کرنا چاہتا ہے تا کہ اس کسوٹی اور تھرمامیٹر پر آدمی اس معاملہ میں اپنے اخلاص وریا کو پرکھ لے اور جانچ لے اور پھر خود ہی فیصلہ کرے۔

اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی مسلمان بھائی کی تیمارداری ومزاج پرسی اور عیادت کے لئے جا رہے ہوں تو جو فضائل احادیث میں اس پر آئے ہیں ان کا استحقاق صرف مالدار وعہدیدار و دولتمند وشہرت یافتہ حضرات کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ کسی بھی مسلمان کا اپنے عام مسلمان بھائی کی عیادت و زیارت للہ فی اللہ کے لئے جانے پر وہ سب فضائل وارد ہوئے ہیں۔

تو اگر ایک مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے بیمار ہونے کو سن کر اور اس کی پریشانی وتکلیف کی خبر پا کر اس سے ملنے اور اس کا حال دریافت کرنے جاتا ہے اور پھر اس کو تسلی دینے اور دعا وغیرہ کرنے کی سنتوں پر عمل کرتا ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، چھوٹا آدمی ہو یا بڑا، دولت وشہرت اور منصب ومرتبہ والا آدمی ہو یا بس ایک عام درجہ کا مسلمان ہو، تو پھر سمجھ لو کہ حقیقی معنی میں یہ شخص مخلص ہے۔

امیروں اور عہدیداروں کی عیادت وتعزیت تو ہے، باقی کی نہیں، آخر ایسا کیوں؟

اور اگر وہ صورتِ حال ہو جو آج کل دیکھنے میں آتی ہے کہ بڑے لوگوں کی خبر گیری ومزاج پرسی کے لئے تو ذرا سی نزلہ وزکام کی خبر سن کر لوگ چاروں طرف سے امنڈ پڑتے ہیں، کیونکہ کسی سے مالی طمع وابستہ ہے، تو کسی سے کسی اور نوع کا مفاد اس کے منصب اور عہدہ سے وابستہ ہے، جیسے مثال کے طور پر ایک اچھے مدرسہ کا مہتمم ہے، یا مدرسہ میں ناظمِ تعلیمات وصدر المدرسین ہے تو عیادت کرنے والوں کی لائن لگی ہے، سبب دراصل وہی طمع ولالچ ہے کہ شاید مستقبل میں کسی نئے مدرس کی تقرری میں اپنے فلاں اور فلاں متعلق کو مدرسہ میں رکھوادوں۔ یا مالدار آدمی ہے تو پھر بعد میں اس سے

کبھی مدرسہ کے لئے چندہ کی ضرورت ہوگی اور کبھی کبھی حج وعمرہ کے ٹکٹ بھی ان کی طرف سے تقسیم ہوا کرتے ہیں اور کبھی دعوتیں اور ہدایا وتحائف بھی نصیب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی بیماری کے ایام اور موقعوں سے خوب فائدہ اٹھایا جارہا ہے اور بار بار عیادت کے بہانے سے یا ان کے خاندان میں کسی وفات ہوجانے پر تعزیت کے عنوان سے خوب تعلقات اور ربط وضبط قائم کئے جارہے ہیں، کیونکہ عام حالات میں تو ان صاحب سے ملنا بھی مشکل ہے، اور اب جبکہ بیمار بن کر بستر پر لیٹے ہیں تو ملاقات بھی خوب تسلی سے ہوجاتی ہے اور یکسوئی بھی ملتی ہے تو تعلق پیدا کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔

بس یاد رکھ لیجئے کہ ایسی عیادت وتعزیت پر کہ جو اخلاص وللّٰہیت سے خالی دوسرے مقاصد کے لئے ہو، نہ تو کوئی اجر ہے اور نہ ہی اس کی کوئی فضیلت ہے۔ یہ تو صرف ریاو دکھاوا ہے اور در پردہ اپنے مادی مقاصد کے حصول کی راہ ہموار کرنا ہے۔ غور سے پڑھئے اور اس مضمون کو خوب دل سے سوچئے۔ اللہ عزوجل ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل مخلص بنادے۔

اللہ کی راہ میں لڑنے، مال خرچ کرنے، اور علم سکھانے پڑھانے میں اخلاص وریا

مسلمان اللہ کی راہ میں اگر اللہ کے لئے لڑے تو اس سے بڑا اونچا فضیلت کا عمل اور کوئی دوسرا اس کے پاس نہیں ہے، کیونکہ سب سے قیمتی چیز ہر انسان کے پاس اس کی جان ہے، تو بھلا جو شخص اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے پر تیار ہوکر میدان میں اترا ہو تو اس سے بڑھ کر فضیلت کی اور کیا بات ہوگی؟

مگر اس میں اخلاص ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ انسان اس لئے لڑے کہ مجھے روئے زمین پر اللہ کا دین زندہ کرنا ہے اور اس کو غالب کرنا ہے، چاہے اس کے لئے مجھے میری سب سے قیمتی چیز یعنی اپنی جان، ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑے۔

اور اگر محض اس لئے لڑتا ہے کہ میری قوم، میرا وطن، میرے ہم زبان، میرے ہم رنگ لوگوں کو غالب کرنے کا مسئلہ درپیش ہے، میں عرب ہوں، مجھے عربوں کو غالب کرکے رہنا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یا اس لئے خوب جم کرلڑتا ہے تاکہ اخبارات ورسائل اورٹی وی ویڈیو پر میرا نام بڑے بہادرانہ ودلیرانہ کارناموں میں لکھا جائے اور میری جرأت وشجاعت کی ہر طرف داد دی جارہی ہو اور میری شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہوں، اور جنگ میں بڑے بڑے کارناموں سے میرا نام چمکے، اور شہرت ہو، تو یہ ساری اغراض وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے اتنا بڑا محبوب اور پسندیدہ عمل بھی اللہ کے نزدیک جہنم میں داخلہ کا سبب ہوتا ہے۔

اِسی طرح سخی اپنی سخاوت کے ذریعہ ہر طرف دولت کے خوب دریا بہائے ہوئے ہے اور سب کو خوب نوازتا ہے اور ہر دینی کام اور ضرورت کی جگہ میں خرچ کرتا ہے، سب لوگ اس کی سخاوت سے واقف ہیں، اور اس کو اس صفت میں خوب داد ملتی ہے، اور تعریفیں حاصل ہوتی ہیں، تو بہر حال یہ سارا معاملہ اگر اسی لئے ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو کر میرا نام بلند ہو اور میری صفتِ سخاوت کے ذریعہ لوگ میری تعریف کریں اور لوگ خوب تعریف کر بھی رہے ہیں، اور وہ یہ دیکھ دیکھ کر خوش بھی ہو رہا ہے، تو اس کا یہ عملِ سخاوت بھی قیامت کے دن سرخروئی کے بجائے بڑی ذلتوں اور تکلیفوں کا باعث ہوگا۔

اور یہی معاملہ علمِ دین سکھانے اور پڑھانے اور دین پھیلانے کا ہے، جس کو احقر اوپر تفصیل کے ساتھ تحریر کر چکا ہے اور یاد رہنی چاہئے یہ بات کہ یہ تین قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جن کا تذکرہ حدیث پاک میں ریا کے باب میں خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے:- ”أُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ“. کہ جہنم کی آگ سب سے پہلے ان تین قسم کے لوگوں پر بھڑکے گی۔

نیٹ اور ریڈیو وغیرہ پر تلاوت وبیان میں اخلاص وریا

بالکل ظاہری بات ہے کہ اس قسم کے آلاتِ نشر واشاعت پر اگر تلاوت یا بیان وتقریر کا موقع ملے تو اس کے سننے والوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ شاید مہینوں تک بھی اگر کوئی عالم گاؤں گاؤں اور شہر شہر بیان کرتے پھریں تو اتنے سامعین میسر نہ آسکیں۔ تو اگر کوئی شخص یہ نیت کر کے ریڈیو پر بیانات

کرے کہ چلو اللہ کے دین کی بات اور داستانِ عشق ومحبتِ خداوندی اللہ کے بہت سارے بندوں کو سنانے کا موقع ایک ساتھ اکٹھا مل رہا ہے، تو خوب تضرع الی اللہ اور کمالِ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ بیان کرے تو ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے کہ ہزاروں اللہ کے بندوں تک دین کا صحیح پیغام پہنچایا اور بار بار مسلسل بیانات کر کے سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کے اندر دین کو زندہ کر دیا، تو یقیناً یہ بڑے اجر وثواب اور اونچے مرتبے کی بات ہے، کیونکہ جتنے حضرات ہماری وجہ سے دین پر آئیں گے تو ہمارے نامۂ اعمال میں ان سب کے دینی اعمال کا اجر وثواب مفت میں لکھا جا تا رہے گا، تو اس لحاظ سے یہ ریڈیو پر بیانات ایک بہت بڑی نیکی اور کارِ خیر کا ذریعہ ہوں گے۔

نیٹ اور ریڈیو پر تلاوت وبیان میں اخلاص وللّٰہیت سے خالی نیتیں

لیکن اگر اس میں نیت درست نہ رہے، بلکہ ذہن میں یہ ہو کہ:-

- ریڈیو پر آنے سے تو صاحب بڑی جلدی پورے ملک وبیرونِ ملک میں شہرت مل جائے گی، لوگوں میں بہت جلد خوب تعارف ہو جائے گا۔
- اور ہم سے عقیدت رکھنے اور ہمیں ماننے اور چاہنے والے ہر طرف بہت سے پیدا ہو جائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے جب روزانہ خوب عمدہ عمدہ اور قیمتی باتیں ان کے کانوں میں پڑیں گی تو اولاً مناسبت ہوگی اور پھر مناسبت سے محبت پیدا ہوگی، اور یہ چیز خود نفس کو بڑی مرغوب ہے کہ ہر طرف لوگوں میں مقبولیت ومحبوبیت ہو۔
- لوگوں میں میرا علم وتقویٰ اور فضل وکمال خوب پھیلے گا تو پھر کبھی مالداروں اور دولتمندوں سے کوئی ضرورت پڑے گی تو وہ رعایت کریں گے اور صاحبِ دولت وثروت اور منصب وحکومت والوں سے بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔ ظاہر ہے جب ان میں معرفت وعقیدت ہوگی تو وہ بھی تمام ضرورتوں کے موقع پر رعایت سے کام لیں گے۔

➢ لوگ مختلف مواقع پر عزت کے ساتھ اپنے جلسوں اور اجتماعوں میں خوب بلایا کریں گے اور ہدایا و تحائف بھی خوب ملیں گے۔ ہر طرف مان تان بھی خوب ہو گی، دینی قیادت و سرداری کے میدانوں میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع زیادہ جلدی بآسانی میسر آئیں گے اور لوگ جلد ہی میری شخصیت کو تسلیم بھی کرلیں گے۔

ہمارے اکابر چُھپنے کی فکر کرتے تھے اور ہم چَھپنے کی کوشش میں رہتے ہیں

القصہ مختصر یہ کہ بقول حضرت مولانا سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم کہ ہمارے اکابر میں اور ہم میں یہ ایک بڑا فرق ہے کہ ہمارے اکابر چُھپنے کی کوشش کرتے تھے اور ہم چَھپنے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی وہ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے اوصاف کو لوگوں سے چھُپانے کی کوشش کرتے تھے، اور ہم لوگ کچھ خاص نہ ہوتے ہوئے بھی چَھپنے کی یعنی مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اور درحقیقت یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی مقبولیت عطا فرمائی تھی اور ان سے دینی خدمت کے کام بھی حق تعالیٰ نے خوب لئے ہیں، کیونکہ درحقیقت اصل میں یہ دین کا کام حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں اور چہیتوں سے لیتے ہیں اور روئے زمین پر مخلصین مؤمنین ہی صرف اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے ہیں۔

دولتمندوں کا اپنی دولت کے استعمال میں اخلاص و ریا

اللہ عزوجل نے جسے مال و دولت دیا ہو تو وہ اس مال و دولت کو خود استعمال کرے اور دوسروں پر خرچ کرے، اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شکر کی ادائیگی کی نیت رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جس بندہ کو اللہ نے نعمتوں سے نوازا ہے تو ان نعمتوں کا اثر اس کے جسم پر نظر آئے۔ تو اگر کوئی شخص اچھا کھاتا پیتا اور اچھا پہنتا ہے اور اچھی رہائش وغیرہ رکھتا ہے اور یہی نیت کرتا ہے، اور پھر یہ بھی نیت کہ اگر کوئی ضرورت مند محتاج و فقیر ہو تو وہ مجھے اس حالتِ غنا میں دیکھ کر مجھ سے اپنی درخواست پیش کرے اور میں اس کی درخواست کو قبول کر کے اس کی مدد کروں تو اس طرح کی نیتوں سے یہ سب کچھ عبادت بن کر اجر و ثواب کا باعث ہو گا۔

نیچے ذکر کردہ نیتوں سے یہی دولت باعثِ عذاب بن جائے گی

لیکن میرے بھائیو! :-

- اگر دولتمند حضرات اپنے اچھے عالیشان مکانات اور عمدہ گاڑیوں اور بہترین فاخرانہ جوڑوں اور کپڑوں سے اور اونچے اونچے سیل فون اور گاڑیوں کے ذریعہ لوگوں میں اپنی شہرت وعزت اور مقام ومرتبہ چاہیں اور یہ نیت دل میں ہو کہ لوگ اس کی وجہ سے ہمارا مقام پہچان لیں اور دیکھ لیں کہ پورے شہر میں فلاں کا ایسا مکان ہے کہ شاید کسی دوسرے کا نہ ہو۔
- یا ان چیزوں کے ذریعہ لوگوں کی زبانوں پر اپنی تعریف اور تذکرے کرانا مقصود ہو کہ صاحب فلاں ولد فلاں کے پاس کیا عجیب گھر اور کیا شاندار گاڑی ہے کہ شاید ہی پورے قصبہ اور شہر میں کسی کے پاس ہو، اور اگر ہو بھی تو بالکل گنی چنی تعداد ہے کہ جب اس گاڑی میں بیٹھ کر اور وہ لباس پہن کر کسی جگہ سے گذرے تو اپنی بڑائی اور شان اور عمدگی وبرتری کا اظہار مقصود ہو، تو سمجھ لو کہ یہ حالت اور استعمالِ دولت ریا کاری کی نذر ہو گئی ہے۔
- یا دوسروں کو نیچا دکھانا مقصود ہے کہ فلاں کے پاس جیسا مکان تھا اس سے اونچا عالیشان میرا ہے، اور جو گاڑی ابھی ”آزاد وِل“ میں سب سے اونچی آئی تھی، میرے پاس اور مزید ایک سال نیا ماڈل آیا ہے۔ یہ بات عورتوں کے اندر بہت ہی زیادہ پائی جاتی ہے کہ جب کوئی عمدہ وعالیشان جوڑا زیب تن کریں تو ان کو اس وقت تک سکون نہیں ملتا ہے کہ جب تک وہ اس جوڑے کو پہن کر دوسری عورتوں کو دکھا نہ دیں اور ان کی زبانی اپنی کچھ تعریف اور بڑائی کی بات نہ سن لیں۔

میری مرسیڈیز گاڑی ہی میری عزت کا ایک سامان ہے

یہی حال بہت سے حضرات کا ان کی اعلیٰ درجہ کی گاڑیوں کے بارے میں ہوتا ہے، چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے ایک مرتبہ یہ بات کہی جب احقر نے ان کے معاشی حالات کی تنگی کی طرف ان کی

توجہ مبذول کرائی اور عرض کیا کہ آپ یہ اپنی مرسڈیز گاڑی بیچ دو، تو انہوں نے احقر سے برجستہ یہی کہا کہ بس میری عزت کا ایک آخری سامان یہی تو رہ گیا ہے جو کچھ مجھے عزت ملی ہوئی ہے، اگر اسے بھی بیچ دوں گا تو پھر کیا عزت باقی رہ جائے گی۔

احقر یہ جملہ سن کر حیران اور دنگ رہ گیا۔ بتایئے اس کو بجز ریا و دکھاوا اور کیا کہا جائے گا؟ کہ اچھی گاڑی کو صرف اس لئے رکھے ہوئے ہے کہ وہ اس کی عزت کا ذریعہ ہے۔

حدیثِ پاک میں آیا ہے: "مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (الآداب للبیہقی: ۱۹۸/۱) کہ جس شخص نے دنیا میں رہ کر شہرت کا لباس پہنا یعنی عمدہ لباس پہن کر اس کے ذریعہ شہرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ ظاہر ہے جس طرح یہ بات لباس کے بارے میں ہے تو دوسری چیزوں کے متعلق بھی یہ ذلت کا معاملہ ہوگا۔

تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت میں اخلاص وریا

یہ بات ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تن تنہا اس دنیا کے مالک اور اس کا نظام چلانے والے اور اپنے بندوں کو پالنے والے ہیں، کسی کو معاش کا کوئی ذریعہ دے دیا، کسی کو کوئی دوسرا ذریعہ، کسی کو اچھی تجارت اور کاروبار عطا فرمادیا اور کسی کو صنعت وحرفت کی راہ سے روزی عطا فرمادی، تو کسی کے لئے اچھی ملازمت ہی کو اس کے بہترین معاش کا ذریعہ بنادیا۔

بہرحال یہ سب اللہ عزوجل کی ربوبیت اور رزّاقیت کے مظاہر ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کسی کو کم دیا اور کسی کو زیادہ، تو یہ ایک الگ بات ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی حکمتوں پر مشتمل ہے، اس لئے جو شخص مذکورہ بالا ذرائعِ رزق ومعیشت میں اپنے ہم عصروں، ساتھیوں اور رفقاء واحباب سے بڑھا ہوا ہو تو اسے اس نعمتِ وسعت وفراخی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھنا چاہئے، اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ بلا استحقاق اللہ تعالیٰ نے آسان اور اچھا معاش عطا فرمادیا ہے،

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ میری ناشکری و ناقدری کی وجہ سے مجھ سے نعمت کو چھین لے اور جہاں تک ہو سکے اپنے سے نیچے والوں پر حقارت کی نظر نہ ڈالے اور ان کی حتی الوسع خدمت کرتا رہے۔

ہم اپنی تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ عزت کے متلاشی نہ بنیں

مگر بہت مرتبہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی بڑا تاجر ہے، یا کسی کی اچھی ملازمت ہے اور وہ بڑی اونچی کمپنی کا ملازم ہے تو وہ اس کو اپنی بڑائی وشہرت اور عزت ووجاہت کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے، خوب لوگوں کے سامنے بڑی بڑی باتیں بولنا اور اپنی ہنرمندی اور سمجھداری و ہوشیاری کی عنوان بعنوان تعریف اور تذکرے کرنا اور لوگوں سے اپنی ذہانت اور امورِ تجارت میں مہارت اور صنعت وحرفت میں اپنی اونچی صلاحیت کی تعریف خود کرنا اور لوگوں سے سننا، جس سے اسے محسوس ہو کہ لوگ اس کی وجہ سے میری تعظیم وادب کر رہے ہیں، اور لوگوں میں ان چیزوں کی وجہ سے میری اچھی خاصی عزت ہو رہی ہے۔

حد تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اچھی بڑی کاشتکاری دے دیں تو وہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ میرے زمیندار ہونے کی تعریف کریں، اور جگہ جگہ اپنی زمینوں کی اقسام اور ان کی کثرت کا ذکر کرتا ہے، اور مقصود یہی ہوتا ہے کہ لوگ میری بڑائی اور تعریف وتوصیف کیا کریں۔

مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ ساری باتیں تفاخر وتکبر اور بَڑائی وبُرائی کی ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے اطاعت شعار بندوں کو عزت دیتے ہیں، اور اپنے باغیوں اور فاسقوں فاجروں کو ذلت سے دوچار کرتے ہیں، تو عزت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں ہے، دوسری چیزوں میں نہیں ہے۔ اور جو شخص دوسری چیزوں میں عزت سمجھتا ہے وہ درحقیقت دھوکہ میں ہے، اور مخلوق سے عزت چاہنا اور اس کی خواہش رکھنا یہ خود اپنی جگہ پر بہت بڑا دھوکہ ہے، اس لئے کہ ان سب چیزوں کے خزانے فقط ایک اللہ عزوجل کے قبضہ قدرت میں ہیں، باقی کسی کا اس میں کچھ اختیار

نہیں ہے۔ہاں کبھی ظاہری آنکھوں کو ایسا لگنے لگتا ہے کہ ہمیں مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے عزت عطا ہو رہی ہے،اور در حقیقت یہ محض ایک خیالی چیز ہے،عزت کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

خلاصہ :-

لہٰذا بندے کو چاہئے کہ ان سب چیزوں کے ذریعہ ریا کاری اور لوگوں میں دکھلاوا کر کے اپنی تعریف و توصیف چاہنے کے بجائے بس ان نعمتوں کے حصول پر مولائے کریم کا شکر گذار بن کر رہے اور اللہ سے عزت و محبوبیت کی دعا مانگتا رہے۔

اختتامِ کتاب:-

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج بروز پیر بتاریخ ۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱/ستمبر ۲۰۱۷ء بوقت گیارہ بجے شب یہ رسالہ اپنے اختتام کو پہونچا۔بندۂ ناچیز اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ اس کو اپنی جناب میں مقبول فرما کر ہماری نجات کا ذریعہ بنا دے اور ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں کمالِ اخلاص و للّٰہیت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور معلومات کو معمولات میں منتقل فرمادے۔

آخر میں قارئینِ کرام سے اتنی التجا ہے کہ اگر آپ کو اس رسالہ سے نفع ہو تو احقر کو حیّاً و میّتاً اپنی دعاؤں میں ضرور یاد کرتے رہیں، فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ

❀❀❀

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ
جس سے بندہ (مؤلف) کو بہت نفع ہوا

ارشاد فرمایا کہ: اے مسلمانو! اگر اخلاص چاہتے ہو تو لوگوں کو چوپایوں اور بچوں کی طرح لا یعقل سمجھو کہ ان کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں، ان کا جاننا اور نہ جاننا، ان کی واقفیت اور عدم واقفیت، غرض کوئی بات بھی قابل اعتبار نہ رہے، پس چونکہ خدا ہی کا جاننا کافی ہے، لہٰذا اپنی عبادت اُسی کو دکھلاؤ، کیونکہ وہی جزا دے سکتا ہے اور وہی عبادت کا قدر دان ہے، باقی اس کے سوا تو دنیا اور دین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی کو کچھ بھی دے سکے۔ اگر ایسا کروگے تو اپنی عبادتوں سے ضرور نفع پاؤ گے، ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدانِ محشر میں خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔ (تبلیغ دین: ص ۱۹۳)